مکمل ناول

موسم گل حیران ہے

صائمہ اکرم

رات کی تیرگی میں املتاس اور شہتوت کے درختوں میں گھری سیاہ کولتار سڑک پر سُرمئی رنگ کی ہنڈا سوک بہت سرعت سے دوڑتی جارہی تھی۔ اس نے گاڑی کی کھڑکی سے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ کو دیکھا جو اُن کے ساتھ ہی محوِ سفر تھے جبکہ راستے میں آنے والے شہروں پر گہری ہوتی رات ایک سحر کے مانند طاری ہوچکی تھی۔ وہ آج اس کے سحر میں گرفتار نہیں ہوسکی تھی۔ اس وقت آسمان پر جتنے

ستارے تھے اس سے زیادہ وہم اور اندیشے اس کے ذہن کے آسمان پر پوری آب وتاب کے ساتھ دمک رہے تھے۔

وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بظاہر ٹیک لگائے انتہائی پُرسکون تھی لیکن اس کے اندر پریشانی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھا بلوجینز کے ساتھ سفید گھریلو سی ٹی شرٹ میں ملبوس شخص اس کے لیے بالکل انجان تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش اس کو کچھ شناسا سے تو لگے لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے۔

اسی لمحے اس نے بیک مرر سے اسے دیکھا، وریشہ نے گڑبڑا کر اپنی آنکھیں دانستہ باہر کے مناظر پر مرکوز کرلیں لیکن ایک لمحے میں وریشہ نے اس کے چہرے پر پھیلی خاموشی اور گہری سوچ کی پرچھائیوں کو پڑھا تھا۔ چہرے پڑھنا ویسے بھی اس کا مرغوب مشغلہ تھا۔ گاڑی میں وہ دونوں ہی تھے اس لیے بڑی بوجھل سی خاموشی ان کے درمیان تھی۔

گاڑی بہت تیزی سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔ وریشہ ایک دفعہ پھر اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ ابھی کچھ گھنٹے پہلے وہ کافی کا ایک بڑا سا مگ پاس رکھے اپنی میڈیکل کی کسی کتاب میں گم تھی پروفیسر جمال احمد نے کل ٹیسٹ لینا تھا اور وہ ٹیسٹ بری طرح سے اس کے حواسوں پر سوار تھا۔ اس کی روم میٹ ملیحہ تو اس ٹیسٹ کی تیاری کے لیے اپنے تایا کے گھر گئی ہوئی تھی جو خود بھی بہت اچھے ڈاکٹر تھے۔ راول پنڈی میں اس کے کوئی ایسے رشتے دار نہیں تھے اس لیے وہ ہر ویک اینڈ پر ہاسٹل میں ہی رہنے کو ترجیح دیتی تھی ویسے بھی یہ اس کا راول پنڈی میڈیکل کالج میں آخری سال تھا۔

وہ اس دن بھی اپنا بڑا سا مگ جس پر ''لیو'' اسٹار کا بڑا سا نشان بنا ہوا تھا، اس میں کافی منہ تک بھرے ہوئے ہاسٹل کے لان میں اپنے مخصوص پسندیدہ کونے میں براجمان تھی جب خلافِ توقع بابا کی کال آئی۔ اس کے دماغ نے کچھ انہونی کے سائرن تو دیے تھے مگر اس نے ان کو بری طرح جھٹک دیا تھا۔ بابا اس دن خلافِ عادت اور خلاف مزاج بہت تیزی سے بول رہے تھے۔ ان کی بات نے اس کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔ وہ بہت عجلت میں کہہ رہے تھے۔

''وریشہ! ایک گھنٹے تک تمہیں میرا اسٹوڈنٹ ابتہاج پک کرنے آئے گا، اپنا بیگ تیار کرلو تمہیں دس پندرہ دن کے لیے کہیں جانا ہے.....''

''لیکن پاپا، میں دس پندرہ دن کے لیے کالج سے کیسے چھٹی کروں گی پھر پروفیسر جمال آج کل ٹیسٹ لے رہے ہیں۔'' وہ بڑی سرعت کے ساتھ ان کو بتا رہی تھی۔

''میری پروفیسر جمال سے بات ہوچکی ہے، انہیں کوئی اعتراض نہیں۔'' انہوں نے ایک اور بم اس پر گرایا تھا۔ ''دیکھو وریشہ مجھے کچھ دن کے لیے کہیں جانا ہے۔ کہاں اور کدھر اس کے جوابات میں فوری نہیں دے سکتا۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

''مجھے معلوم ہے کہ میری بیٹی بہت سمجھدار ہے، وہ ان فضول سوالات میں نہیں پڑے گی، میں کسی اور دن آپ سے تفصیل سے بات کروں گا۔'' وہ بابا کی بات پر حواس باختہ ہوکر سامنے پڑے کافی کے خالی مگ کو دیکھنے لگی۔ سارے الفاظ جیسے اس کے دماغ سے اڑ گئے تھے، انہوں نے تازہ تازہ سمجھداری کا تمغا پہنایا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خاموش ہوگئی، ورنہ دماغ میں مختلف سوالوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

''میری بات سن رہی ہیں نا وریشہ آپ.....؟؟'' ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرنے والے بابا آج بہت تیزی سے بول رہے تھے اور یہی بات وریشہ کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

''جج..... جی بابا.....'' اس نے فوراً بوکھلا کر جواب دیا اور پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔ ''آخر جانا کہاں ہے؟''

''بس وہ جہاں بھی لے جائے، آپ چلی جانا.....'' بابا کا جواب اسے انتہائی بے تکا لگا تھا۔ پہلی دفعہ وریشہ کو بابا کی ذہنی حالت پر شک ہوا تھا تبھی تو وہ انتہائی فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''بابا، آپ ٹھیک تو ہیں نا.....؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا، بس کچھ دن کے لیے ملک سے باہر جارہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میری آپ سے بات بھی نہ ہوسکے، اس لیے پریشان نہیں ہونا۔'' وہ حد درجہ اسے مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔

''کہاں.....؟ کس ملک؟'' وہ کچھ اور پریشان ہوئی۔

''بیٹا میں نے کہا تھا ناں کہ زیادہ سوال نہیں کرنے۔'' وریشہ کو محسوس ہوا کہ بابا بری طرح جھنجلائے تھے۔ ان کی جھنجلاہٹ نے اسے بری طرح خفت میں مبتلا کردیا تھا۔

''آئی ایم سوری بابا۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

''ابتہاج آنے والا ہی ہوگا، تم اپنے ڈاکومنٹس اور سب ضروری کاغذات رکھ لینا اور کتابیں بھی۔'' وہ انتہائی غیر متوازن آواز میں اسے کہہ رہے تھے۔ ''اور ہاں یاد رکھنا پریشانیاں اور مسائل ہماری زندگی کا حصہ ضرور ہوتے ہیں لیکن پوری زندگی نہیں ہوتے، ان کے ساتھ ہی زیست بسر کرنا پڑتی ہے اس لیے ان کو ذہن پر سوار نہیں کرنا۔'' وہ پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہ رہے تھے جب کہ وریشہ کو ان کی بے ربط گفتگو اور زیادہ پریشان کررہی تھی۔ وہ ایک دم ہی تناؤ کا شکار ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتی بابا اختتامی الفاظ کہہ کر اس کا خدا حافظ سنے بغیر فون بند کرچکے تھے۔

اپنی چیزیں اٹھا کر وہ کمرے میں آئی تو پریشانی کے ساتھ ساتھ کوفت اور بیزاری بھی اس کے وجود میں سرائیت کرچکی تھی۔ انتہائی جھنجلاہٹ کے ساتھ اس نے اپنے بیگ میں کپڑے ٹھونسے تھے۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کچھ رکھ چکی ہے البتہ دوسرے بیگ میں کتابیں، نوٹس اور مختلف جرنلز اس نے بہت دھیان اور توجہ سے رکھے۔ اپنے سارے ڈاکومنٹس رکھنے کی تک اسے سمجھ تو نہیں آئی تھی لیکن بابا کی بات اس نے کبھی ٹالی نہیں اس لیے اس نے سارے کاغذات خاموشی سے رکھ لیے تھے۔ اپنی پیکنگ کے دوران اس کا دل چاہا کہ وہ اپنی روم میٹ کو اپنے جانے کا بتادے لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنا ارادہ ملتوی کردیا کیونکہ اسے خود معلوم نہیں تھا کہ آخر جانا کہاں ہے؟

☆☆☆

شاور لے کر وہ اپنے بالوں میں برش کررہی تھی جب چوکیدار نے اسے باہر کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ اپنے دونوں بیگ اس نے چوکیدار کے ہاتھ بھجوادیے اور خود اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر ڈال کر وہ باہر نکلی تو اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ گیٹ کے پاس بنے وزیٹنگ روم میں بیٹھا شخص اسے دیکھ کر چونک اٹھا تھا۔

''آپ وریشہ سکندر ہیں ناں.....؟'' وہ انتہائی اعتماد سے اس سے مخاطب تھا۔ وریشہ نے ایک نظر میں دیکھ لیا تھا کہ وہ خاصا دراز قد تھا، اس کا جسم خاصا مضبوط اور رنگت سفید تھی، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ اس کی شخصیت کا نمایاں وصف اس کی خود اعتمادی اور بے نیازی تھی۔ اس وقت وہ دونوں بازو سینے پر باندھے بہت اطمینان سے اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

''آپ ابتہاج ہیں؟'' اس نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا ورنہ مدِمقابل کا انداز ہی اسے بتانے کو کافی تھا کہ وہ اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔

''جی، مجھے ابتہاج ہاشمی کہتے ہیں، مجھے سر نے بھیجا ہے۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''اٹس اوکے.....'' وہ زبردستی مسکرائی۔ ''کیا لیں گے آپ؟ چائے یا کولڈ ڈرنک.....؟'' اس نے ایک اچھے میزبان کے طور پر رسماً ہی پوچھا تھا ورنہ اسے معلوم تھا کہ وہ اس صورتِ حال میں کیا جواب دے گا۔

''نو تھینکس.....! ہم لیٹ ہو جائیں گے ویسے بھی کافی لمبا سفر ہے۔'' اس کا لہجہ دوٹوک اور کسی بھی قسم کی گنجائش سے عاری تھا۔ وریشہ نے بھی کندھے اچکائے اور مزید اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اب اس کے بیگ اٹھا کر گاڑی کی ڈگی میں رکھ رہا تھا۔ وریشہ نے دیکھا وہاں پہلے سے ہی ایک لیدر کا بیگ پڑا تھا۔ وہ شاید خود بھی کہیں سے سفر کر کے آیا تھا۔ اس کی گاڑی پر پڑی گرد سے وریشہ نے اندازہ لگایا تھا۔ وہ اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ اس کے لبوں سے بے اختیار ایک پُرسکون سی سانس خارج ہوئی تھی، وہ خود بھی آگے بیٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ سیل فون پر بابا کی کال آ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں ایک دم ہی ارتعاش برپا ہوا تھا۔ اس نے بے تابی سے کال اٹینڈ کی۔

''ابتہاج آ گیا.....؟'' دوسری طرف بابا اس کے سلام کا جواب دیے بغیر بہت بے چینی سے بولے تھے۔

''جی بابا.....'' وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

''اوکے..... میری بات کرواؤ اس سے۔'' وہ اب کے ذرا اطمینان سے بولے تھے، جبکہ وریشہ کو نہ جانے کیوں غصہ آ گیا تھا تبھی اس نے خاموشی سے سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ''بابا بات کرنا چاہتے ہیں۔'' اس کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے فوراً وضاحت دی۔ وہ سیل فون لے کر قدرے فاصلے پر چلا گیا۔ وریشہ نے دیکھا وہ بس سر ہلا رہا تھا دوسری طرف بابا کی بات شاید لمبی ہو گئی تھی۔ اسے اس وقت سخت دھچکا لگا جب اس نے بات کر کے فون بند کر دیا۔ بابا نے اس سے بات نہیں کی تھی یہ بات گھنٹوں اس کا دل جلانے کو کافی تھی اور وہ تو ویسے ہی پورے خاندان میں حد درجہ حساس مشہور تھی۔ وہ کچھ بھی بولے بغیر ڈرائیونگ شروع کر چکا تھا۔ جیسے جیسے باہر اندھیرا پھیل رہا تھا ویسے ویسے وریشہ کے اندر ایک مایوسی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس نے انتہائی بے دلی سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔

اگلی سیٹ پر بیٹھا بندہ عادتاً کم گو تھا یا کسی مصلحت کی وجہ سے خاموش تھا وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ سفر شروع ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا لیکن وہ مسلسل خاموشی اور سکون کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے اس سے زیادہ اہم کام دنیا میں کوئی نہ ہو۔

''ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں.....؟'' اس نے بہ مشکل دل پر جبر کر کے اسے مخاطب کر ہی لیا۔ دوسری طرف سے استفہامیہ لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''آپ کو پروفیسر صاحب نے بتایا نہیں.....؟''

اس کے لہجے میں حیرت تھی یا سادگی، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ اب بھی پورے دھیان سے ڈرائیونگ میں مگن تھا۔ اس کی خاموشی وریشہ کو خفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

''ظاہر ہے نہیں بتایا تبھی تو آپ سے پوچھ رہی ہوں.....'' اس نے ڈھٹائی کی حد کر دی تھی۔

''ابھی ان کی دوبارہ کال آئے گی تو پوچھ لیجیے گا.....'' اس نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے شائستہ انداز میں کہا۔

''بابا کے سارے اسٹوڈنٹ ہی عجیب سے روکھے اور فلاسفر ٹائپ ہیں۔ ایک بھی کام کا نہیں۔'' اسے اچانک بیٹھے بیٹھے ارسلہ کا بے لاگ تبصرہ یاد آیا تھا۔ ارسلہ کی بات سے اس کی اچانک یاد بھی بے وقت آئی تھی، وہ اس کی اکلوتی بہن تھی اور شادی کے بعد اپنے میاں کے ساتھ جاپان میں مقیم تھی۔

''کتنی بدتمیز ہے ارسلہ، کتنے دنوں سے مجھے کال تک نہیں کی۔'' اسے بیٹھے ہوئے ایک اور دکھ یاد آیا تھا۔ دل میں خودترسی کے جذبات اُمڈ اُمڈ کر آ رہے تھے۔ اچانک اگلی سیٹ پر بیٹھا بندہ بولا۔

''آپ کا میڈیکل کا کون سا سال ہے۔'' وہ جو اپنی سوچوں میں گم تھی اس کی بات پر بے اختیار چونکی۔

''آپ کو کس نے بتایا کہ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں.....'' اس نے انتہائی بے تکا سوال کیا تھا۔

''ظاہر ہے میں نے آپ کو راول پنڈی کالج سے پک کیا ہے اور وہاں میڈیکل کی ہی تعلیم دی جاتی ہے۔'' اس نے جتایا نہیں تھا لیکن وہ بری طرح شرمندہ ہوئی، اسی لیے دانستہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''کیوں آپ کو پروفیسر صاحب نے بتایا نہیں؟'' اس کے دانستہ جتاتے ہوئے لہجے پر ایک مبہم سی مسکراہٹ ابتہاج کے چہرے پر دوڑی تھی۔ وہ بیک مرر سے اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

''میں نے پوچھا نہیں، ورنہ وہ بتا دیتے.....''

اس کا انداز اور لہجہ خاصا مہذب تھا۔ وہ اب ٹھیک ٹھاک شرمندہ ہوئی تھی اس لیے خاموش رہی۔ ابتہاج نے بھی اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کر لی تھی اس نے دوبارہ نہیں پوچھا تھا۔ گاڑی موٹر وے پر پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔ اتنی ہی تیزی سے مختلف یادیں اور مناظر وریشہ کے ذہن کے پردے پر دوڑ رہے تھے۔ اسے آج ارسلہ بری طرح یاد آ رہی تھی، وہ اس سے دو سال بڑی تھی لیکن دونوں میں کمال کی انڈر اسٹینڈنگ اور محبت تھی۔ سی ایس ایس کے بعد وہ فارن آفیسر کی حیثیت سے جاپان میں تعینات تھی، اس سے پہلے کچھ عرصہ اس نے اٹلی میں بھی گزارہ تھا۔ وہ حد درجہ ذہین و فطین اور اوور کانفیڈنٹ لڑکی تھی۔ ماما اور بابا اس کا تعارف بہت فخر اور محبت سے کرواتے تھے۔ ویسے تو دونوں بیٹیاں ہی ان کو عزیز تھیں لیکن شوخ و چنچل، حاضر دماغ اور باتونی سی ارسلہ ہر جگہ نمایاں ہوتی تھی۔ اس کے مقابلے میں وریشہ حد درجہ کم گو، تنہائی پسند اور اپنے آپ میں مگن رہنے والی تھی حالانکہ ذہانت میں وہ بھی ارسلہ سے کم نہ تھی لیکن وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے سے گھبراتی تھی اس لیے ارسلہ کے مقابلے میں لوگ اس کی طرف کم ہی متوجہ ہوتے تھے۔

''ارسلہ ہر چیز میں اپنے باپ کا پرتو ہے جبکہ وریشہ میری کاپی ہے۔'' اسے ماما کی بات اچانک ہی یاد آئی تھی۔ ماما کی شخصیت حد درجہ سحر انگیز تھی۔ وہ ٹھنڈے مزاج کی بہت مضبوط اور متاثر کن انداز بیاں کی حامل خاتون تھیں۔ وریشہ کو کبھی... نہیں لگا تھا کہ وہ ماما کی کاپی ہے۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ ماما بس اس کا دل خوش کرنے کے لیے ایسا کہتی ہیں۔ ماما نے نفسیات میں پی ایچ ڈی کی تھی اور وہ یونیورسٹی میں اپنے شعبہ کی ہیڈ بھی رہی تھیں۔ ان میں اور بابا میں کمال کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔

گاڑی چلتے چلتے رکی تھی۔ وہ ایک دم ہی ہوش کی دنیا میں آئی تو دیکھا وہ پیچھے مڑ کر اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''سوری، میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ یہ بھیرہ کا اسٹاپ ہے اور یہاں کافی اچھے ہوٹلز ہیں اور مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن مجھے تو بھوک نہیں ہے۔'' وہ بے ساختہ

بولی تھی لیکن اس کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ سے اسے اپنی بات کے بے تکے ہونے کا احساس ہوا۔

''اٹس اوکے..... اگر آپ کو بھوک نہیں تو کوئی بات نہیں لیکن یقین مانیں میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ صبح ہی لاہور پہنچا تھا اور وہاں سے سیدھا راول پنڈی آ گیا.....'' وہ انتہائی سادہ انداز میں بتا رہا تھا۔

''اوہ، آپ لاہور میں بابا سے مل کر آ رہے ہیں۔'' وہ ایک دم بے چین ہوئی۔

''جی ہاں.....'' وہ اس کے بے صبرے پن پر مسکرایا۔ ''اگر آپ اجازت دیں تو ہم کھانا کھا لیں کیونکہ کافی لمبا سفر ہے۔''

''اوہ..... ہاں ضرور.....'' آج وریشہ کے صرف شرمندہ ہونے کا دن تھا اسے کافی دیر سے اس بات کا احساس ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وریشہ نے غور سے دیکھا، وہ اچھا خاصا دراز قد اور وجیہہ شخصیت کا حامل تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی اس کی سائڈ کا دروازہ کھولا تو وہ چونک کر باہر نکلی۔ ٹھنڈی ہوا کا نم جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

''لگتا ہے قریب ہی کہیں بارش ہو رہی ہے۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔

''ہاں، اسی لیے موسم خوشگوار ہے۔'' وریشہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے اٹھکیلیاں کر رہی تھی، وریشہ کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اس نے شاور لینے کے بعد بال ایسے ہی کھول رکھے تھے جو اب اسے الجھن میں مبتلا کر رہے تھے۔ وہ بیگ سے ہیئر بینڈ نکال کر قدرے بے پروائی سے بالوں میں ڈال رہی تھی۔

''آپ کے بال بالکل میڈم شائستہ کی طرح لمبے اور گھنے ہیں۔'' وہ بلا ارادہ ہی بولا تھا، اس کے سخت حیرت زدہ چہرے پر وہ پہلی دفعہ بری طرح خجل ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری، اصل میں آپ کے نقوش میم کے ساتھ بہت ملتے ہیں اور پہلی نظر میں دیکھنے سے ہی احساس ہوتا ہے کہ آپ ان کی بیٹی ہیں۔'' وہ اب بلا ضرورت وضاحت دے رہا تھا۔

''آپ نے میری ماما کو دیکھ رکھا ہے؟'' ایک بے ساختہ سی خوشی کا احساس اس کے چہرے سے جھلکا تھا۔ وہ بالوں میں ہیئر بینڈ ڈالنا بھول کر اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔ ابتہاج نے پہلی دفعہ اس کو غور سے دیکھا، اس کے چہرے پر بلا کی جاذبیت اور معصومیت تھی، بے حد پُرکشش آنکھیں، انتہائی متناسب جسم اور چہرے کے خدوخال خاصے پُرکشش تھے۔ ڈارک گرین لمبی ائرلائن قمیص کے ساتھ میرون چوڑی دار پاجامے اور میرون ہی دوپٹے میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت میں سنہری پن جھلکتا تھا۔

''آئیں اندر چلتے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ یہاں بھی بارش ہونے والی ہے۔'' اس نے صاف بات کو بدلا تھا۔ اس کے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس کی بات بدلنے پر اچھی خاصی کوفت کا شکار ہوئی تھی جبکہ وہ اس کے آگے آگے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سامنے ہوٹل کے داخلی دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

''کیا لیں گی آپ؟'' وہ اب مینیو کارڈ ہاتھ میں پکڑے اس سے پوچھ رہا تھا جو اس سے دل ہی دل میں خفا ہوئی بیٹھی تھی۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس کے انداز میں ناراضی صاف جھلکی تھی۔

''سوری، اس مینیو میں تو اس نام کی کوئی چیز نہیں.....'' وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ وریشہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں آپ کی ماما کا نہیں بابا کا اسٹوڈنٹ

ہوں۔'' اس نے اس کے ناراض چہرے کے پیچھے چھپی ناراضی کو تیزی سے پڑھا تھا اس لیے اب بے پروائی سے کہہ رہا تھا۔ وریشہ اپنے بچگانہ انداز پر شرمندہ ہوئی اس لیے وہ اب مینیو دیکھ کر اسے ایک فرائڈ رائس منگوانے کا کہہ رہی تھی حالانکہ اس کا قطعاً بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ سارا دھیان بابا کی طرف تھا اس کو ابھی تک اس ایمرجنسی دورے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''پتا نہیں بابا ٹھیک بھی تھے یا نہیں.....؟'' وہ تھوڑا سا مضطرب ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی ابتہاج کی زیرک نظروں سے نہیں چھپ سکی تھی۔

''کچھ باتوں کے جواب نہیں ہوتے ان کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے، وقت بہت بڑا منصف ہے۔'' اس نے بہت سرعت سے اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھا تھا۔

''بابا ٹھیک ہیں ناں.....؟'' وہ کچھ بے چین ہوئی۔

''الحمدللہ وہ بالکل ٹھیک ہیں، صبح ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی کر آیا ہوں۔'' وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا، وریشہ کو اس کے لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا۔

''اوہ، تھینکس گاڈ.....'' وریشہ کے لبوں سے بڑی پُرسکون سی سانس خارج ہوئی تھی۔ ''آپ نے ماما کو کہاں دیکھا ہے؟'' وہ اب اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ وہ مسکرایا۔

''بھئی میں اسی یونیورسٹی میں تھا اور میڈم تو بہت ہر دل عزیز تھیں وہاں۔ میں تو ان کا زبردست فین تھا اور اکثر سر سے کہتا تھا کہ کاش میں آپ کے دور میں پیدا ہو جاتا تو میڈم کو ہرگز آپ سے شادی کرنے نہ دیتا۔'' وہ ہنستے ہوئے انتہائی شرارتی انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کی بات پر وریشہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ ماما حقیقت میں بہت خوب صورت اور پروقار تھیں۔

''میڈم کھانا بہت اچھا بناتی تھیں، ان کے ہاتھ کا بنا ہوا حلیم کھانے کے لیے تو میں اکثر آپ کے گھر بھی آ جاتا تھا۔'' وہ اس کی بات پر بری طرح چونکی..... بابا کے اور ماما کے اسٹوڈنٹس دن رات ان کے گھر آتے تھے اس لیے ان دونوں بہنوں نے کبھی کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں حیرت پڑھ کر اب خوشگوار انداز سے کہہ رہا تھا۔

''اصل میں، میں پروفیسر صاحب کا بہت چہیتا اسٹوڈنٹ تھا اور ان سے میری بہت زیادہ دوستی ہے، مجھے ان سے بہت زیادہ عقیدت ہے، اس لیے وہ اکثر مجھے ضرورت سے زیادہ رعایت دے دیتے تھے۔'' وہ نہ بھی بتاتا تو وریشہ کو اس کی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ بابا اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے کسی عام بندے پر تو اعتماد نہیں کر سکتے تھے۔

''لیکن میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا، نہ اپنے گھر نہ بابا کے ساتھ.....'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں، ہو سکتا ہے۔'' اس نے اختلاف نہیں کیا تھا، وہ اب اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہا تھا۔ ''لیکن میں نے آپ کو کئی دفعہ پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔''

''اچھا.....؟'' وہ منہ میں نوالہ ڈالنا بھول گئی تھی۔ ''کہاں پر.....؟'' اس کے چہرے پر تعجب کی فراوانی تھی۔

''ایک دفعہ آپ کے گھر، دوسری دفعہ ارسلہ کی شادی پر، تیسری دفعہ آپ کی ماما کی ڈیتھ پر اور چوتھی دفعہ اب.....'' وہ سرسری سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''کیا.....؟'' اسے خاصا جھٹکا لگا تھا۔ وہ اب ہاتھ میں پکڑا چمچہ، پلیٹ میں رکھ کر سخت حیرت سے

اسے دیکھ رہی تھی جو بڑی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

''کیا ہوا.....؟'' اس نے تعجب سے اسے دیکھا جو کھانا، کھانا بھول گئی تھی۔

''آپ ارسلہ کی شادی پر آئے تھے؟'' وریشہ کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا، اسے یاد تھا کہ ماما کی بیماری کی وجہ سے بابا نے بہت ہی کم اور سلیکٹو لوگوں کو مدعو کیا تھا۔

''کیوں، نہیں آنا چاہیے تھا کیا؟'' وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا، وریشہ گڑبڑا گئی۔

''نہیں نہیں، میرا مقصد یہ نہیں تھا اصل میں ارسلہ کی شادی پر بہت کم لوگ انوائٹڈ تھے، اس لیے مجھے حیرت ہے کہ میں نے آپ کو کیوں نہیں دیکھا۔''

''حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ سارا وقت میڈم شائستہ کے ساتھ تھیں اور اس فنکشن میں ان کی طبیعت خاصی خراب تھی۔''

''ہوں.....'' وہ کچھ اداس ہوئی۔ اسے یاد آیا کہ اس دن ماما کی خرابی طبیعت کی وجہ سے فنکشن بہت مختصر کر دیا گیا تھا، نکاح کے فوراً بعد کھانا اور پھر رخصتی کر دی گئی تھی۔

''میڈم بہت گریس فل خاتون تھیں، اللہ ان کو جنت میں سب سے اچھے مقام پر رکھے۔'' وہ بہت عقیدت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کو اداسی کی کیفیت سے نکالنے کے لیے وہ ایک دم سے بولا تھا۔

''آپ ارسلہ سے بہت مختلف ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔

''اچھا.....؟'' وہ مسکرائی۔ ''آپ ارسلہ کو بھی جانتے ہیں؟'' وہ تحیر کے عالم میں کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہی۔ اسے اس بات پر جھٹکا تو لگا تھا لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''ارسلہ نہ صرف میری کلاس فیلو تھی بلکہ بہت اچھی دوست بھی، اس کی شادی میرے بیسٹ فرینڈ اشعر سے ہوئی ہے، میں ان دونوں کو ملنے جاپان بھی گیا تھا۔''

''اشعر بھائی آپ کے دوست ہیں؟'' وہ ایک دفعہ پھر کھانا، کھانا بھول گئی تھی۔ ایک دفعہ پھر وہ خود کو حیران ہونے سے نہیں روک سکی تھی۔

''ہاں، وہ میرا بہترین دوست ہے، ہم دونوں کئی سال ہاسٹل میں ایک ہی روم میں رہے ہیں۔ وہ ارسلہ سے پہلی دفعہ میرے ہی توسط سے ملا تھا اور اس کے پروپوزل کا میں نے ہی آپ کے بابا کو بتایا تھا۔''

ابتہاج کی بات پر اسے یاد آیا تھا کہ ارسلہ کا پروپوزل بابا کے کسی اسٹوڈنٹ کے توسط سے آیا تھا اور ماما نے یہ بات یونہی سرسری سے انداز میں بتائی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' وہ رسٹ واچ پر وقت دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پہلے کی طرح سنجیدگی سی طاری ہو چکی تھی۔ وہ جو صرف اس کا ساتھ دینے کے لیے زبردستی کھا رہی تھی، فوراً نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے کھڑی ہو گئی۔

وہ بل ادا کر کے اب باہر کی طرف قدم بڑھا چکا تھا وریشہ نے بھی اس کی پیروی کی۔ باہر مکمل طور پر تیرگی کا راج تھا۔ مختلف قسم کی گاڑیاں وہاں کھڑی تھیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو اگلی سیٹ پر آجائیں، مجھے کھانے کے بعد شدید قسم کی نیند آتی ہے، اگر آپ پیچھے سو گئیں تو مجھے بھی نیند آجائے گی.....اور ڈرائیور کی نیند کا انجام خاصا خطرناک ہوتا ہے۔''

''اوہ.....'' وہ چونکی۔ ''نیور مائنڈ.....'' وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''اگر آپ نہیں بیٹھنا چاہتیں تو کوئی پرابلم نہیں۔ اٹس۔ اوکے.....'' وہ بہت اچھا چہرہ شناس تھا یا اس کا چہرہ ہی کھلی کتاب تھا۔ وریشہ سمجھ نہیں پائی۔

''نہیں، کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ پُراعتماد ہوئی۔

وہ بہت تیز رفتاری سے لیکن محتاط انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے اس کام میں خاصی مہارت تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر چپ کی چادر تان لی تھی۔ وریشہ کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ وہ خاصا موڈی قسم کا بندہ ہے۔ ایک لمحے میں اس طرح سے بات شروع کر دیتا تھا جیسے ازل سے شناسائی ہو اور اگلے ہی لمحے ایسا اجنبیت کا خول اپنی ذات کے گرد تان لیتا تھا کہ اچھا خاصا بندہ خجل ہو جائے۔ وریشہ نے اس کی اجازت کے بغیر ہی سی ڈیز کی سلیکشن کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کا انتخاب خاصا لاجواب تھا خصوصاً اقبال بانو اور غلام علی کی غزلیں دیکھ کر اسے خوشی ہوئی۔

''آپ کو موسیقی سے شغف ہے؟'' وہ ایک دم ہی سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہر وہ شخص جو جمالیاتی ذوق رکھتا ہو، ادب سے اس کی شناسائی ہو، زندگی کی خوب صورتیاں اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہوں، وہ لطیف قسم کے احساسات کا حامل ہو اسے یقیناً موسیقی بھی بھاتی ہی ہے.....'' وہ بہت دھیمے انداز میں بولی تھی۔ اس کی بات کو ابتہاج نے خاصا انجوائے کیا تھا۔

''بہت خوب..... میرا خیال ہے کہ میڈیکل کے لوگ ان چیزوں سے دور ہی بھاگتے ہوں گے۔''

''کیوں، میڈیکل کی دنیا کے لوگ کیا انسان نہیں ہوتے.....؟'' اس نے برا مان کر کہا تھا۔

''نہیں، انسان تو ہوتے ہیں لیکن سنا ہے قدرے خشک اور بور.....'' وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

''سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتے، ورنہ ہم دکھی انسانیت کی خدمت کرنے والے لوگ جتنے حساس ہوتے ہیں آپ لوگ اندازہ ہی نہیں کر سکتے..... اور ہر حساس دل کو نازک جذبات کی حامل چیزیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔''

''ہاں، یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' ابتہاج نے مزید بحث کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ورنہ اس کی بات پر وہ اچھی خاصی بحث کر سکتا تھا۔

''آپ کو پتا ہے بابا نے مجھے اس طرح اچانک کیوں ہاسٹل سے بلوایا ہے اور کہاں بھیج رہے ہیں؟'' جگجیت کی سی ڈی کو ہاتھ میں پکڑے اس نے اچانک ہی موضوع بدلا تھا۔

''جی نہیں.....'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وریشہ کو اس کے جواب سے سخت مایوسی ہوئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی سی ڈی ڈیش بورڈ میں رکھتے ہوئے قدرے خفا انداز سے کہا۔ ''اچھا یہ تو آپ کو علم ہوگا کہ ہم جا کہاں رہے ہیں یا پھر یہ بھی نہیں پتا اور آپ شوقیہ ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے پھر رہے ہیں۔''

ابتہاج نے سبک رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے اس کو مسکرا کر دیکھا جو تھوڑا سا رخ موڑے باہر اندھیرے میں بھاگتے دوڑتے درختوں میں پتا نہیں کیا چیز تلاش کر رہی تھی۔ باہر تاریکی کے ساتھ گہرا سناٹا تھا۔

''آپ کو نیند تو نہیں آرہی.....؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا اس کے اس طرح بات پلٹنے پر وریشہ نے باقاعدہ مڑ کر اسے غصے سے گھورا تھا۔

''ایسے نامعلوم سفر پر جاتے ہوئے بھلا کس کو نیند آئے گی۔'' وہ بلند آواز میں بڑبڑائی تھی۔ اس کی بات پر ابتہاج بے ساختہ ہنسا تھا۔

''آپ ناراض نہ ہوں، ہم لوگ ملتان کے ایک گاؤں..... جا رہے ہیں۔''

''ملتان کے گاؤں.....کون سے گاؤں.....'' وہ ناراضی بھلائے اب باقاعدہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سخت حیران تھی۔

''دیکھا، میں انہی سوالوں کی وجہ سے نہیں بتا رہا

تھا، گاؤں کا نام بتادوں تو کیا فائدہ، آپ کون سا پہلے ملتان گئی ہیں۔'' اس نے صاف اسے چھیڑا تھا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میں نے ملتان نہیں دیکھا؟'' وہ اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کے بابا نے.....'' اس کے جواب نے وریشہ کے غبارے سے ساری ہوا نکال دی تھی۔

''ہاں، ٹھیک کہا تھا بابا نے.....'' وہ تھوڑا سا دھیمی ہوئی۔ ''وہاں کس کے پاس جارہے ہیں اور کیوں.....؟'' وہ تھوڑا سا فکرمند ہوئی۔

''یہ آپ کو پتا چل جائے گا وہاں جا کر.....'' وہ مبہم سے انداز میں مسکرایا۔

''کیا پتا چل جائے گا، اچھا خاصا بیٹھے بٹھائے مجھے ایمرجنسی اور خفیہ دورے پر بھجوادیا ہے اور پھر بھی کہہ رہے ہیں کہ سب ٹھیک ہے۔'' وہ تھوڑا سا چڑ کر بولی تھی۔

''کیا آپ کو اپنے بابا پر اعتبار نہیں۔'' وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

''استغفراللہ میں نے ایسا کب کہا؟'' اس کے چہرے پر حیرت کی فراوانی تھی، وہ باقاعدہ برا مان گئی تھی۔

''آپ اس طرح ناراض جو ہورہی ہیں۔''

''میں ناراض نہیں ہورہی، مجھے بس بابا کی ٹینشن ہے، انہوں نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا اور ان کو پتا ہے کہ میرا میڈیکل کا آخری سال ہے۔'' وہ جذباتی ہوئی۔

''ان کا تعلق بھی شعبۂ تعلیم سے ہے اور ان سے زیادہ کون وقت کی اہمیت سے آگاہ ہوگا۔ آپ تھوڑا سا صبر وتحمل کریں۔ کچھ چیزیں ٹائم مانگتی ہیں۔ سب کچھ انشاء اللہ بہت جلد واضح ہوجائے گا۔'' وہ بہت سکون سے اسے سمجھا رہا تھا۔

''مجھے وقت کے ضائع ہونے کا دکھ نہیں، آپ میرا پوائنٹ آف ویو سمجھ نہیں رہے، مجھے اس چیز کی ٹینشن ہے جس کی وجہ سے بابا نے اس طرح ایمرجنسی میں مجھے بلایا ہے۔ ورنہ وہ اسٹڈی کے معاملے میں کس قدر سخت ہیں آپ کو اس چیز کا بخوبی اندازہ ہوگا۔''

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو آپ کو ٹینس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، وہ پندرہ دن کے لیے کوئی سیمینار اٹینڈ کرنے انڈیا جارہے ہیں اور بالکل ٹھیک ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا تھا۔

''تو وہ کون سا پہلی دفعہ ملک سے باہر جارہے ہیں۔'' وہ بالکل بھی نہیں چونکی تھی۔

''ہاں آپ کو پہلی دفعہ انہوں نے آپ کی مرضی کے خلاف بھجوایا ہے یہ شاید آپ کو اچھا نہیں لگا۔'' اس کی بات پر وہ بالکل ٹھنڈی ہوگئی جبکہ وہ اس کے یوں خفت زدہ چہرے سے محظوظ ہورہا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ بادلِ ناخواستہ بولی تھی۔

''ویسے آپ کے بابا کی ایک رائے تو آپ کے متعلق غلط ہے۔'' وہ خوشگوار انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وریشہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ان کا خیال ہے کہ آپ خاصی کم گو ہیں اور بحث بالکل نہیں کرتیں.....'' ابتہاج کی آنکھوں میں بے حد دلچسپی تھی۔ اس کی بات پر وریشہ خجل سی ہوکر فوراً وضاحت دینے لگی۔

''اصل میں سب اس طرح اچانک ہوا کہ میں بوکھلا گئی اور ایسی سچویشن میں اچھے خاصے بندے کی مت ماری جاتی ہے اور میں تو ارسلہ کی طرح بالکل بھی مضبوط اعصاب کی مالک نہیں۔''

''میرا خیال اس کے برعکس ہے، آپ ارسلہ سے زیادہ مضبوط ہیں اور اس کی طرح بالکل بھی

جذباتی نہیں.....'' وریشہ نے بوکھلا کر اس کی شکل دیکھی جس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' وریشہ کو حد درجہ تعجب ہوا۔

''میں نے میڈم شائستہ کی ڈیتھ والے دن آپ کو دیکھا تھا، آپ ارسلہ کے مقابلے میں بہت حوصلے سے تھیں اور جس طرح اسے سنبھال رہی تھیں وہ بھی حیران کن تھا۔ پروفیسر صاحب اکثر آپ کی تعریف کرتے ہیں۔'' وہ بڑی مہارت سے گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

''میری تعریف کرتے ہیں؟'' وہ سخت حیران ہوئی۔ ''حالانکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ ارسلہ کے زیادہ قریب ہیں اور ارسلہ نے ان کی خواہش کے مطابق سی ایس ایس کیا، جبکہ میں ماما کے زیادہ قریب تھی اور ماما کی آرزو تھی کہ ان کی ایک بیٹی ڈاکٹر بنے۔'' وہ ناخن کھرچتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

''اچھا، ہوسکتا ہے لیکن میں نے اکثر ان کو ارسلہ کے بجائے آپ کی تعریف کرتے زیادہ سنا ہے۔'' وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ انتہائی سکون سے گاڑی چلا رہا تھا چونکہ رات کافی ہوچکی تھی اس لیے باہر سڑک پر ٹریفک کم تھا، زیادہ تر بڑے بڑے ٹرک اور ٹرالر ہی چل رہے تھے۔ وہ لوگ اب پنڈی بھٹیاں والی سڑک پر تھے جو خاصی خراب تھی۔ اس لیے گاڑی ہچکولے کھا رہی تھی۔

''بہت گندا روڈ ہے۔'' وریشہ خاصی ناگواری سے بولی۔

''کیا کیا جائے، اب کبیر والا تک ایسی ہی سڑک کو برداشت کرنا پڑے گا۔'' وہ رسٹ واچ سے ٹائم دیکھتے ہوئے فکرمندی سے اسے بتا رہا تھا۔ اسی دوران گاڑی ایک جھٹکا کھا کر چلتے چلتے اچانک ہی رکی تھی۔ انجن نے کچھ لمحوں کے لیے شور مچایا اور اس کے بعد ساکن ہوگیا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' وریشہ کا دل دھک کر کے رہ گیا، اس نے خوفزدہ نظروں سے اس سنسان سڑک کو دیکھا جس کے دائیں بائیں گندم کے کھیت تھے۔

''ڈونٹ وری.....! میں دیکھتا ہوں۔'' اس کے چہرے پر بڑی حوصلہ کن مسکراہٹ تھی۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آگیا اور گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن دیکھنے لگا۔ وہ بڑی توجہ سے مختلف تاروں کو گھما پھرا کر دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ کہیں انجن تو گرم نہیں ہوگیا؟'' وریشہ نے اسے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ وہ بار بار چابی گھما رہا تھا لیکن انجن بالکل بے جان تھا۔

''نہیں، ابھی موٹر وے سے اترتے ہوئے تو پانی ڈالا تھا.....'' وہ ابھی بھی پُرسکون تھا۔ اس کے انداز میں بالکل بھی تشویش یا فکرمندی نہیں تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر گاڑی سے اتر کر انجن کا معائنہ کررہا تھا۔ جب اسے پانچ منٹ سے زائد ہوگئے تو وریشہ گھبرا کر نیچے اتر آئی۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ دور کہیں گیدڑ کے بولنے کی آواز سے وہ خوفزدہ ہوئی۔

''کیا ہوگیا اس کو اس وقت.....؟'' وریشہ نے پریشانی بھری جھنجلاہٹ سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا، حوصلہ کریں، ہر کام کی کامیابی کی پہلی شرط صبر وتحمل ہوتا ہے.....'' ابتہاج نے متبسم لہجے میں کہا۔

''اتنی سنسان جگہ پر صرف چور ڈاکو ہی صبر وتحمل سے کھڑے ہوسکتے ہیں۔''

''بس پھر آپ کچھ دیر کے لیے خود کو چور ڈاکو ہی سمجھ لیں۔'' مشورہ مفت حاضر تھا۔ وہ چونکہ انجن پر جھکا ہوا تھا اس لیے وریشہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پائی تھی۔

''مجھے لگتا ہے جنریٹر فیل ہوگیا ہے.....'' ابتہاج کے لہجے میں پہلی دفعہ تشویش کا عنصر شامل ہوا تھا۔ اس کی اطلاع پر وریشہ نے سخت ہراساں نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب کیا ہوگا؟''

''کچھ نہیں، بس تھوڑا سا مستری کا کام ہے۔'' اس نے سر

اٹھا کر وریشہ کا خوفزدہ چہرہ دیکھا۔ ”یہ آپ کو کیا ہوا؟“ اتنی ہوائیاں کیوں اُڑ رہی ہیں؟“ اس نے شرارت بھری سنجیدگی سے پوچھا۔

”ظاہر ہے اس طرح کے حالات میں ہر نارمل انسان پریشان ہوسکتا ہے۔ میں نے کون سا انوکھا کام کیا ہے۔“ وریشہ چڑ گئی تھی نہ جانے آج اسے بار بار غصہ کیوں آرہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

”آپ کے اس طرح پریشان ہونے سے کیا گاڑی خود بخود ٹھیک ہوجائے گی؟“ دونوں بازو سینے پر باندھے اسے انتہائی سکون سے کھڑے دیکھ کر وریشہ کو اس پر بے ساختہ رشک آیا تھا۔

”ایسے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے سے بھی ٹھیک نہیں ہوگی.....“ اس کے طنزیہ انداز پر ابتہاج قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ رات کے سناٹے میں اس کی آواز دور تک گونجی تھی۔

”چلیں، آپ کو میرے ہاتھ باندھنے پر اعتراض ہے تو میں سیدھا کھڑا ہوجاتا ہوں۔“ رات کے اس پہر اس کی شوخی وریشہ کو سخت بری لگی تھی اس لیے وہ خاموش رہی۔ اسی وقت ایک ٹرک سست روی سے چلتا ہوا ان کے پاس آکر رکا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ اندر جا کر بیٹھیں، اس طرح آپ کا سڑک پر کھڑے ہونا مناسب نہیں۔“ وہ بہت مہذب انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ ٹرک سے دو بندے اتر کر ان کی جانب آرہے تھے۔ وریشہ فوراً گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی لیکن اس کا سارا دھیان ان کی گفتگو کی طرف تھا۔ اسے تھوڑا سا غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ وہ لوگ پشتو میں گفت وشنید کررہے تھے جسے سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔

وہ تینوں ایک دفعہ پھر گاڑی کے انجن پر جھکے ہوئے تھے۔ ابتہاج نے ایک دفعہ پھر گاڑی اسٹارٹ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ پھر مایوس ہوکر سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ اس کے بعد ٹرک ڈرائیور نے دھکا لگا کر گاڑی کو ایک سائڈ پر کیا۔ انہوں نے دوبارہ آپس میں کوئی بات کی اور اس کے بعد وہ اپنا ٹرک اسٹارٹ کر کے لے گئے۔ ان کے جاتے ہی وریشہ بجلی کی سی تیزی سے نیچے اتری اور بے تابی سے بولی۔

”کیا ہوا..... یہ لوگ کیوں چلے گئے؟“

”ظاہر ہے جانے والوں نے جانا ہی ہوتا ہے، کوئی کسی کے لیے کتنا ٹھہر سکتا ہے۔“ رات کے اس پہر وہ اس کا فلسفہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

”آپ نے ان کو کیوں جانے دیا؟“ وریشہ قدرے زچ ہوکر بولی۔

”کمال کرتی ہیں آپ، میں ان کو بھلا کیسے روک سکتا تھا۔“ ابتہاج نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جتایا تو وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

”فکر مت کریں، ان لوگوں نے وعدہ کیا ہے کہ آگے جا کر کسی مکینک کو بھیجیں گے.....“ اس کی خاموشی پر اس نے مسکراتے ہوئے تسلی دی جبکہ وریشہ نے بڑی سرعت سے اپنی کیفیت پر قابو پایا وہ اب لاتعلقی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

”آپ ٹینس نہ ہوں اللہ بہتر کرے گا۔“ وہ اب بہت نرمی سے اس سے مخاطب تھا۔

”نہیں، میں ٹھیک ہوں.....“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے سامنے جھاڑیوں میں دیکھنے کی کوشش کی، جہاں پر کسی جانور کی موجودگی کا احساس ہی اتنا خوفناک تھا کہ اس کے چہرے پر بڑی برق رفتاری سے خوف کی پرچھائیاں پھیلی تھیں۔ ابتہاج نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اسے تسلی دی۔

”میرا خیال ہے کہ وہاں جھاڑیوں میں کوئی گیدڑ ہے یا کوئی آوارہ کتا، میں دیکھتا ہوں۔“ وہ جیسے ہی آگے بڑھنے لگا وریشہ نے بلا ارادہ اور بے ساختہ

اس کا بازو پکڑا تھا۔

”دفع کریں، پتا نہیں کیا چیز ہو، ہم گاڑی میں جا کر بیٹھتے ہیں۔“ خوف کے ایک ان جانے قسم کے احساس کے زیر اثر اس نے بالکل لاشعوری طور پر اس کا بازو صرف ایک لمحے کو پکڑا تھا اور اگلے ہی لمحے اپنی حرکت کا احساس ہوتے ہی وہ سٹپٹا گئی۔ اس کا سرخ چہرہ ابتہاج نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ چاند کی روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات بہت واضح تھے۔

”اٹس اوکے.....“ اس کا انداز متبسم وشریر تھا جبکہ وریشہ خفت زدہ ہوکر خود کو اس بے اختیاری حرکت پر دل ہی دل میں کوس رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر دلچسپ تھے کہ ابتہاج زور سے ہنس دیا جیسے کوئی پرلطف بات سنی ہو جبکہ وہ اس کی معنی خیز ہنسی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اچانک ہی پولیس کی گشتی گاڑی ان کے پاس آکر رکی۔ وریشہ فوراً ہی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔

پولیس کی گاڑی کی لائٹیں روشن تھیں اس لیے سامنے کا منظر واضح تھا۔ وہ ان دونوں سے گفت وشنید کرنے میں مگن تھا اور وریشہ کا دل بے قابو ہورہا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیات میں گھر گئی تھی۔ وہ ابھی تک اس نظر کے حصار میں تھی جب اس نے لاشعوری طور پر اس کا بازو پکڑا تھا تب اس نے اس قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا کہ وریشہ کو اس کے تاثرات بھلائے نہیں بھولتے تھے۔

”ہر مشکل اور ہر پریشانی کا اللہ پاک کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال دیتا ہے، بس اللہ پر بھروسا ہونا چاہیے۔“ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بہت متوازن لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

وریشہ نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولا۔

”بس پانچ منٹ میں مکینک یہاں ہوگا، پولیس والے اسے لینے گئے ہیں۔“

”حیرت ہے، آپ نے پولیس والوں کی بات کا اعتبار کرلیا۔“ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سادگی سے کہا۔

”کیوں، نہیں کرنا چاہیے تھا کیا؟“ وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

”ظاہری بات ہے۔ ان کا امیج ایسا بن چکا ہے کہ اعتبار کرنا بے وقوفی ہی لگتی ہے۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

”آپ کا کیا خیال ہے کہ اس شعبے کے سارے لوگوں کا امیج ہی منفی ہے۔ ان میں اچھے لوگ کوئی نہیں؟“ وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

”نہیں، خیر ایسا بھی نہیں۔“ وہ اب خاموشی سے اپنی دوسری انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو بہت فرصت سے گھما رہی تھی۔

”وریشہ انصاری، زندگی گزارنے کے لیے اگر ہم مثبت رویہ اپنالیں تو یقین کریں زندگی بہت آسان ہوجاتی ہے، اللہ انسانوں کو وہی دیتا ہے جس کا وہ گمان کرتے ہیں۔“ اس کی بات پر اس نے دہل کر اسے دیکھا۔

”اللہ نہ کرے جو میں اس وقت سوچ رہی ہوں ویسا ہوجائے۔“ وہ یکدم خفگی سے بولی..... وہ اس کے اس انداز پر محظوظ ہوا۔

”اس لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اچھا اچھا سوچا کریں۔“ اس نے مفت مشورہ دیا۔

اگلے پانچ منٹ میں پولیس وین واپس آگئی تھی۔ ابتہاج نے کچھ جتاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو بے اختیار جھینپ گئی تھی۔ پرانے سے کپڑوں میں جمائیاں لیتا ہوا مکینک اب انجن پر جھکا ہوا تھا۔ کوئی تھوڑا سا ہی کام تھا وہ جیسے ہی ہاتھ جھاڑتا

ہوا کھڑا ہوا' ابتہاج نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی۔ انجن اس دفعہ پوری قوت سے جاگ اٹھا تھا۔ وریشہ کے چہرے پر طمانیت بھری خوشی جھلکی تھی۔

''تھینکس گاڈ!'' اس نے خلوصِ دل سے کہا تھا۔

اگلے ہی دس منٹ میں گاڑی پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔

''زندگی بھی گاڑی کی طرح ہوتی ہے، کبھی کبھی پریشانیوں کے کسی جھٹکے سے رک سی جاتی ہے اور ہمیں لگتا ہے کہ یہ کبھی چلے گی ہی نہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا، کوئی بھی موسم چاہے وہ مایوسی یا قنوطیت کا ہی کیوں نہ ہو، اسے بدلنا ہی ہوتا ہے۔ یہی فطرت کا قانون ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اور پتا ہے غیر موافق حالات بھی اسپیڈ بریکر کی طرح ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو اچانک ہی سامنے آجاتے ہیں، وقتی طور پر جھٹکا ضرور لگتا ہے لیکن کچھ ہی دیر بعد زندگی کی سڑک بھی ہموار ہو کر رواں دواں ہو جاتی ہے۔''

''آپ مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہیں۔'' ایک پریشانی نے بے ساختہ ہی اس کا دامن پکڑا تھا۔ وہ بری طرح گھبرائی تھی۔ ابتہاج کا قہقہہ بڑا بے ساختہ اور جاندار تھا اس نے اس کی بات کو خاصا انجوائے کیا تھا۔

''میں تو ویسے ہی کچھ فلسفہ جھاڑنے کے موڈ میں تھا۔ آپ نے سارا موڈ ہی غارت کر دیا۔ بائی داوے آپ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے گھبرا کیوں جاتی ہیں۔''

''اس لیے کہ مجھے ٹارزن بننے کا کوئی شوق نہیں۔'' اس بار وریشہ نے قدرے تحمل سے کہا۔ وہ پھر ہنس دیا۔

''کیوں ٹارزن، انسان نہیں ہوتے کیا.....؟'' وہ اسی کے انداز میں بولا تھا اس کا موڈ خاصا خوشگوار ہو چکا تھا حالانکہ رات کے دو بج رہے تھے۔

''پتا نہیں۔'' وہ بیزاری سے بولی تھی۔

''اچھا یہ بتائیں کہ آپ نیکسٹ کس میں اسپیشلائزیشن کریں گی، خدا کے واسطے یہ مت کہیے گا کہ گائنی میں.....'' اس نے میڈیکل کے حوالے سے اس سے پوچھا تھا۔

''بے فکر رہیں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں.....'' وریشہ نے ابرو اچکا کر کہا۔

''اچھا پھر کس میں ہے؟'' وہ بڑی مہارت سے گاڑی چلاتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا، وریشہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف اپنی نیند کو بھگانے کے چکر میں اس سے زبردستی گفتگو کر رہا تھا۔

''میرا ارادہ نیورولوجی میں جانے کا ہے ہمارے ملک میں نیوروفزیشن کی تعداد بہت کم ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''اگر تعداد کی بات کرتی ہیں تو پاکستان میں خواتین انکولوجسٹ (ماہر سرطان) کی تعداد اس شعبے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ کچھ سال پہلے ایک سروے ہوا تھا اور مجھے سخت حیرت ہوئی کہ پاکستان میں اس وقت صرف چھ خواتین تھیں۔'' وہ بھی حد درجہ سنجیدہ تھا۔ وریشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، اصل میں خواتین ڈاکٹرز کی ایک بڑی تعداد گائنی میں چلی جاتی ہے لیکن اب ٹرینڈ تبدیل ہو رہا ہے اب تو لڑکیاں ان شعبوں میں بھی نظر آتی ہیں جو پہلے صرف مردوں کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے۔ اب تو آرتھوپیڈک شعبے میں بھی کافی لڑکیاں دکھائی دینے لگی ہیں۔'' وریشہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔

''آپ کیا کرتے ہیں؟''

''کچھ خاص نہیں، بس زندگی گزار رہے ہیں۔'' وہ بہت عاجزی سے بولا تھا۔

''کیا کوالیفکیشن ہے آپ کی.....؟'' وہ سادہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

''ایک نالائق بندے کی کیا کوالیفکیشن ہو سکتی ہے؟'' اس نے صاف ٹالا تھا۔

''خیر نالائق تو آپ نہیں ہو سکتے۔'' اس نے سامنے لمبی سڑک کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟'' وہ ہنسا اور دلچسپی سے پوچھا۔

''اس لیے کہ میرے بابا نالائق لوگوں کو لفٹ نہیں کرواتے۔'' اس کے شرارتی انداز پر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ وریشہ نے بوکھلا کر اس کی شکل دیکھی۔

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، میں واقعی بہت نالائق تھا، ارسلہ کے نوٹس پڑھ پڑھ کر پاس ہوتا رہا ہوں۔'' اس نے بڑی مہارت سے موڑ کاٹتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔ وریشہ کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں خاصی چمکدار اور روشن ہیں۔

''یہ بات تو میں مر کر بھی نہیں مان سکتی کیونکہ ارسلہ اپنے نوٹس دینے کے معاملے میں بہت کچی ہے۔ وہ اپنا لکھا ہوا ایک لفظ بھی کسی سے شیئر نہیں کرتی۔ اس معاملے میں وہ بہت بدلحاظ ہے۔'' اس کی صاف گوئی پر ابتہاج نے باقاعدہ مڑ کر اسے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے بہت اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ بے تحاشا خوب صورت تھے ایسا لگتا تھا جیسے سنگِ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں، ابتہاج کچھ لمحوں کے لیے اس کے ہاتھوں سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔ گاڑی ایک دم ہی اچھلی تھی۔

''سوری، میں نے اسپیڈ بریکر دیکھا نہیں.....'' وہ اپنا سر سہلاتے ہوئے ایک دم شرمندہ ہوا تھا۔ وریشہ نے بہ مشکل اپنی ہنسی کو روکا تھا۔

''ایسے ہی اسپیڈ بریکر کی کچھ دیر پہلے آپ بات کر رہے تھے ناں، جو زندگی میں بھی اچانک آجاتے ہیں لیکن دیکھ لیں کچھ دیر کے لیے حواس باختہ تو کر دیتے ہیں ناں.....'' اس کے باقاعدہ جتانے پر وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔ اس کا اب سارا دھیان ڈرائیونگ کی طرف تھا۔

''آپ اگر تھک گئی ہیں تو سیٹ کو پیچھے کر کے ریسٹ کر لیں۔ میری ٹینشن نہ لیں، میری نیند اڑ گئی ہے۔ اب میں آرام سے ڈرائیونگ کر سکتا ہوں۔'' وہ بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھے بغیر کہہ رہا تھا۔

''اٹس اوکے.....'' وریشہ نے تھوڑا سا سیٹ کو ریلکس کیا۔ وہ اب کیسٹ پلیئر چلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی میں مغنیہ کی آواز گونج رہی تھی۔

ہم کہ ٹھہرے اجنبی، کتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا، کتنی مداراتوں کے بعد

وہ آواز کے سوز اور شاعری کو غور سے سن رہی تھی۔ باہر بالکل سناٹا تھا۔ سڑک پر اکا دکا ٹریفک تھی اس لیے وہ پوری قوت سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اس نے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا کر ٹانگیں احتیاط سے قدرے پھیلا لی تھیں۔ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ شاید کوئی تیسری غزل تھی جب اس کی آنکھ لگ گئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ گہری تھکن کے احساس کے تحت نیند کی وادیوں میں کھو چکی تھی۔

مختلف گاڑیوں کے ہارن اور شور کی آوازوں سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ سٹپٹا گئی۔ چمکدار دن پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہو چکا تھا۔ باہر اچھی خاصی دھوپ تھی۔ وہ گاڑی ایک پٹرول پمپ پر روک چکا تھا۔

''سامنے واش روم ہیں، آپ فریش ہو جائیں۔'' ابتہاج کی آواز سے وہ یک دم ہوش کی دنیا میں آئی تھی اسے فوراً احساس ہوا کہ تھا کہ وہ کہاں

ہے، تبھی ہڑبڑا کر ٹھیک ہو کر بیٹھ گئی۔

''آپ نے مجھے اٹھایا ہی نہیں۔'' اس نے شرمندگی سے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے اٹھ کر کیا کرنا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا، ٹھٹکا اور چند لمحوں کے لیے اس کے خوابیدہ حسن سے نظریں ہٹانا ہی بھول گیا۔ اس نے اپنے آپ سے خائف ہوتے ہوئے بہ مشکل نظریں ہٹائی تھیں اور فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وریشہ بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئی تھی۔ اس پٹرول پمپ کے واش روم خاصے صاف ستھرے تھے۔ اس لیے اس نے اطمینان سے نہ صرف منہ ہاتھ دھویا بلکہ برش بھی کیا تھا۔ اسے باہر نکل کر اچھی خاصی گرمی کا احساس ہوا تھا۔ دھوپ میں خاصی تپش تھی۔ وہ گاڑی میں آکر بیٹھی تو اس نے دیکھا وہ دو ڈسپوزیبل کپوں میں گرما گرم چائے لیے بیٹھا تھا۔ وریشہ نے آرام سے چائے کا کپ پکڑ کر منہ سے لگا لیا تھا۔ چائے اس کی کمزوری تھی۔

''کتنا سفر رہ گیا اب.....؟'' وہ اطمینان سے پوچھ رہی تھی۔

''ہم ملتان پہنچ چکے ہیں، اب گاؤں کی طرف جا رہے ہیں، مزید ایک گھنٹا اور لگے گا۔'' اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔ اگلے پانچ منٹوں بعد وہ اپنا سفر شروع کر چکے تھے۔ اسی وقت بابا کی غیر متوقع کال نے اس کے اندیشے کافی حد تک دور کر دیے تھے۔ وہ اب خاصی مطمئن تھی۔

☆☆☆

ان کی زبان وہ سمجھ نہیں سکتی تھی لیکن محبت اور اشاروں کی زبان اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ گاؤں میں بلند و بالا حویلی نما بڑے سے گھر میں پہنچتے ہی اس کا بہت والہانہ استقبال ہوا تھا۔ وہیں اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ اسے لے کر اپنے گھر آیا ہے اس سے پہلے تو وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ بابا کے کسی دوست کے گھر چھوڑنے جا رہا ہے لیکن حویلی پہنچتے ہی اس کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی۔ اس کی آمد کی پہلے سے ہی اطلاع تھی اس لیے خاصے جوش و خروش سے سب اس سے ملے تھے۔ ان کی زمینوں پر کام کرنے والے مزارعوں کے گھروں کی خواتین اس کے اردگرد جمگھٹا لگائے کھڑی تھیں۔ وہ تو اس بڑے سے صحن والی حویلی کے بہت سے کمروں میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ اس کے اردگرد کھڑی دیہاتی عورتیں اسے انتہائی محبت اور اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں۔

''اسے آپ لوگوں کی بولی سمجھ نہیں آتی، اس لیے آپ لوگ اپنا وقت ضائع نہیں کریں۔'' وہ تولیے سے بال خشک کرتا باہر آیا اور اب ہنستے ہوئے ان خواتین کو سرائیکی میں چھیڑ رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی شاور لے کر آیا تھا اس لیے خاصا فریش تھا۔

''پیار کی بولی جو بھی ہو اگر بندہ قدر کرنے والا ہو تو سمجھ ہی لیتا ہے۔'' بڑے سے سبز لکڑی کے تخت پوش پر لیٹی بے بے نے محبت بھرے انداز سے کہا تھا۔ وہ خاصی بیمار تھیں۔ اس کا اندازہ وریشہ کو فوراً ہی ہو گیا تھا وہ بالکل ان کے پاس بیٹھی تھی۔

''آپ کو ان کی سمجھ آ رہی.....'' اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ وہ اپنے گھر آکر خاصا خوش تھا۔

''بس کچھ کچھ لفظوں کی سمجھ آ رہی ہے اور کچھ کی نہیں۔'' اس نے بے بسی سے اعتراف کیا۔

''اچھا، یہ تو پتا چل رہا ہے ناں کہ آپ کی آمد ان کے لیے خوشی کا باعث بن رہی ہے۔''

''ہاں، اس کا تو پتا چل رہا ہے کہ سب بہت پیار کرنے والے لوگ ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''آپ کو پتا ہے ابھی بے بے کہہ رہی تھیں کہ

پیار کی بولی سب کی سمجھ میں آجاتی ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''رئیلی .....!'' اس نے ہنستے ہوئے اماں کا کمزور اور ضعیف سا ہاتھ تھاما تو ان کے چہرے پر بڑی خوب صورت روشنی پھیلی تھی۔ وہ سرائیکی میں ابتہاج سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

''کیا کہہ رہی ہیں؟'' وریشہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ان کو اس چیز کی بہت خوشی ہے کہ آپ ڈاکٹر ہیں، کہہ رہی ہیں کہ سب خواتین کو آپ سے ملوائیں گی۔ انہوں نے میری چھوٹی بہن کو ساتھ والے گاؤں سے بلوانے کے لیے بندہ بھیج دیا ہے، ان کا خیال ہے کہ وہ آپ کو بہتر کمپنی دے سکتی ہے۔'' وہ اب سامنے بیٹھا بڑے ذوق شوق سے لسی کا بڑا سا گلاس تھامے پی رہا تھا۔ اماں کو اور وہاں موجود خواتین کو اردو تو سمجھ آ رہی تھی لیکن بولنے سے ہچکچا رہی تھیں۔ صرف ابتہاج کی بوا تھیں جو بلا جھجک ٹوٹی پھوٹی ہی سہی لیکن بہت اعتماد کے ساتھ اس سے بول رہی تھیں۔ اماں نے بھی کچھ چھوٹے چھوٹے سوالات کیے تھے۔

''اوہ، آپ کی بہن کہاں رہتی ہیں؟'' اس نے ویسے ہی پوچھا تھا۔

''اس کی چھ ماہ پہلے ساتھ والے گاؤں میں شادی ہوئی ہے۔ وہ ہر ہفتے چکر لگاتی رہتی ہے۔'' وہ جگ سے ایک اور گلاس لسی کا بھر رہا تھا۔

''ہماری والدہ بہت سادہ خاتون ہیں لیکن پڑھے لکھے لوگوں کی بہت قدر کرتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں اپنی والدہ کے لیے حد درجہ عقیدت اور لگاؤ تھا۔ اس کے سامنے ناشتے کی ٹرے لگا دی گئی تھی وہ اتنا بھاری ناشتا دیکھ کر گھبرا گئی۔

''میں اتنا ہیوی ناشتا نہیں کرتی۔'' اس نے دیسی مرغ کا گھی میں تر بتر سالن اور پراٹھے دیکھ کر کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں، سادہ روٹی بھی ہو گی۔'' ابتہاج نے اس کی مشکل آسان کی۔ وہ تھوڑی سی آلو کی بھجیا نکال کر سادگی سے کھا رہی تھی۔ اماں بار بار اس سے کچھ اور لینے کا اصرار کر رہی تھیں۔ وہ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بہ مشکل بیٹھی تھیں۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ مہمان خانے میں چلی گئی، شاور لے کر اس نے اے سی آن کیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ گہری نیند میں تھی۔ گھریلو ملازمائیں کئی دفعہ اسے آکر دیکھ چکی تھیں۔

☆☆☆

شام کو جب وہ اٹھی تو ایک بھرپور نیند کے بعد وہ خاصی تروتازہ ہو چکی تھی۔ بالوں میں برش کر کے وہ باہر آئی تو ایک خوب صورت شام اس کی منتظر تھی۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے باہر نکلی تو بڑے سارے صحن کے ارد گرد بنے بڑے برآمدے میں چارپائیاں بچھا کر بڑے اہتمام سے سفید چادریں بچھائی گئی تھیں۔ ان پر مختلف خواتین بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ برآمدے کے ایک کونے میں بنے تندور میں آگ دہک رہی تھی اور وہ خواتین بہت مہارت سے اس میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ اس نے پہلی دفعہ غور سے صحن میں لگے جامن کے بڑے سے درخت کو دیکھا جس پر موسم کا پھل لگ چکا تھا۔ صحن کے ایک طرف بے شمار کیاریاں تھیں اور ان میں موسم کی سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔ وریشہ کو باہر آتے دیکھ کر سب نے تجسس سے اسے دیکھا ان سب کے کام کرتے ہاتھ ایک منٹ کو ساکت ہوئے تھے۔ وہ کچھ سوچ کر اماں کی بڑی ساری چارپائی کی طرف آئی۔ انہوں نے بہت محبت سے اسے دیکھا تھا، اس نے جھک کر سلام کیا تو انہوں نے لیٹے لیٹے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ محبت کی اس تاثیر کو اس نے دل تک محسوس کیا تھا۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس نے ان کے بازو کو ہاتھ

لگایا تو وہ چونک گئی۔

''آپ کو بخار ہے؟'' اس نے تشویش زدہ انداز سے پوچھا۔ وہ پھیکے سے انداز کے ساتھ مسکرادیں۔

''السلام علیکم! آپ وریشہ ہیں؟'' کوئی ایک دم پیچھے سے آکر بولا تو وریشہ نے بے ساختہ مڑ کر گلابی رنگ کے خوب صورت سے لان کے سوٹ میں ملبوس اس نازک سی لڑکی کو دیکھا۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی سادگی اور بے ساختگی تھی۔ وریشہ نے مسکرا کے اس کے خوب صورت نقوش کو دیکھا۔ وہ جھینپ گئی۔

''سوری، مجھے تابندہ کہتے ہیں، میں ابتہاج بھائی کی چھوٹی بہن ہوں۔'' وہ بہت شائستگی سے اپنا تعارف کروا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی چمک اور ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔

''اوہو، نائس ٹو میٹ یو۔'' وریشہ کو اسے دیکھ کر حقیقتاً خوشی ہوئی تھی۔ ''مجھے وریشہ کہتے ہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

''وریشہ نہیں، ڈاکٹر وریشہ انصاری۔'' اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے تابندہ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا، اس سے......'' اس نے سادگی سے کہا۔

''بہت فرق پڑتا ہے جناب، اتنی محنت سے تو ڈاکٹر بنتے ہیں، پھر نام کے ساتھ بھی نہ لگائیں تو کیا فائدہ......؟'' وہ خاصے دوستانہ مزاج کی حامل تھی۔ وریشہ کو ایک منٹ میں اس چیز کا اندازہ ہوگیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ......؟ بھائی کو آپ کی بہت ٹینشن تھی۔ اس لیے خود ہی لینے آگئے۔ ان کو ڈیوٹی پر جانا تھا اس لیے فوراً ہی نکل گئے۔''

''کہاں چلے گئے؟'' اسے سخت حیرت ہوئی۔

''سرگودھا، آج کل وہیں پوسٹنگ ہے نا......'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی جبکہ مزید تفصیل جاننا اس نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے اس موضوع پر مزید بات نہیں کی۔

''کون کون رہتا ہے یہاں؟'' اس نے اندر پھیلتی مایوسی کو چھپانے کے لیے ویسے ہی پوچھا۔

''پہلے تو بہت سارے لوگ تھے، چچا کی فیملی تھی ان کے دو بچے تھے وہ دونوں ناروے میں سیٹل ہوگئے، چچی کا انتقال ہوگیا تو چچا بھی چلے گئے۔ اب یہاں اماں کے ساتھ پھپھو اور پھوپا ہوتے ہیں ان کے بچے نہیں ہیں اس کے علاوہ کچھ مزارعے ہیں ان کو پچھلے صحن کی طرف گھر بنا کر دیے ہوئے ہیں۔ جبکہ ہمارے بابا کی وفات کو بھی اب تو پانچ سال ہوچکے ہیں، زمینوں کا حساب کتاب پھوپا جی سنبھالتے ہیں۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے صحن میں بنی کیاریوں کے پاس آگئی تھیں۔ وریشہ نے پھولوں کی ایک ٹہنی پر بیٹھی اداس سی تتلی کو دیکھا۔

''آپ دو بہنیں ہیں نا......؟'' وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

''ہوں......'' ایک اداس سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔

''بھائی اکثر آپ لوگوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ خصوصاً آپ کے بابا سے وہ بہت متاثر ہیں۔'' وہ بہت محبت سے بتا رہی تھی۔ وہ دونوں چلتے چلتے گھر کے پیچھے بنے بڑے سے صحن میں آگئی تھیں۔ یہاں چار پانچ بھینسیں اور کافی ساری بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ وریشہ نے کونے میں بنے ٹیوب ویل کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔ وہ چل رہا تھا۔ سفید شفاف پانی ایک منہ زور جھرنے کی طرح بہہ رہا تھا۔ وہ بے اختیار سیمنٹ کے بنے بڑے سے حوض پر بیٹھ گئی۔

''تم سارا دن گھر میں کیا کرتی ہو؟'' ہاتھوں کی اوک میں پانی بھرتے ہوئے اس نے تابندہ سے یونہی پوچھا۔

''آدھا دن تو میرا کالج میں گزر جاتا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کالج میں پڑھ رہی ہو؟'' وریشہ نے ہتھیلیوں میں پانی بھر کر اپنے چہرے پر اچھالا۔

''نہیں، پڑھا رہی ہوں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی اور وریشہ نے سخت بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تم لیکچرر ہو؟''

''ہاں، کیوں لگتی نہیں ہوں کیا......؟'' اس کی آنکھوں میں مسرت کا احساس بڑا فطری سا تھا۔

''بالکل بھی نہیں، کون سا سبجیکٹ ہے تمہارا؟'' وریشہ نے تجسس سے پوچھا۔

''انگلش لٹریچر......'' وہ اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

''اچھا، کہاں سے کیا ماسٹرز......؟

''ماسٹر میں نے پنجاب یونیورسٹی سے کیا تھا......'' وہ خوش دلی سے بتا رہی تھی۔

''ویری نائس......'' وریشہ نے کھلے دل سے اسے سراہا۔ ''ویسے مجھے توقع نہیں تھی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ وہ ایک دفعہ پھر پانی فضا میں اچھال رہی تھی۔

''ہاں، ہمارے گاؤں کو دیکھ کر آپ نے اندازہ لگایا ہوگا، ہم لوگ آج کے دور میں بھی بہت پیچھے ہیں۔ یہاں ابھی تک صرف ایک پرائمری اسکول ہے۔ کوئی اسپتال نہیں، ہم لوگ بہت سی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ پھر بھی ہزاروں اور لاکھوں سے بہتر ہیں۔'' وہ خاصی قناعت پسند تھی۔ وریشہ کو ابھی ابھی اس چیز کا اندازہ ہوا تھا۔

''ہاں، خالص آب و ہوا میں رہنے والے خالص لوگ، ہے ناں؟'' وریشہ نے ٹھنڈے پانی سے کھیلتے ہوئے کہا۔ وہ ٹیوب ویل کے پانی سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں......'' تابندہ کھلکھلائی۔ وہ بھی اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی تھی، اس نے شلوار تھوڑی سی اوپر کر کے پاؤں پانی میں ڈبو لیے تھے۔ ٹھنڈا اور یخ پانی خاصی طمانیت کا باعث بن رہا تھا۔

''اس گاؤں میں رہتے ہوئے تم لوگوں نے کیسے پڑھ لیا۔'' وریشہ کی بڑی بادامی آنکھوں میں خاصی حیرانی تھی۔

''مت پوچھیں، اماں نے ہماری خاطر کتنے محاذوں پر جنگیں لڑیں، بھائی کی اسٹڈی کے لیے ابا خود ہی بہت کونشس تھے ان کو تو انہوں نے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ امریکا بھجوایا، جبکہ خود بھی تحصیل دار تھے اور گریجویٹ تھے لیکن گاؤں کے ماحول اور خاندان کے رسم و رواج کی وجہ سے ہمارے معاملے میں کچھ ہچکچاہٹ کا شکار ہوگئے۔''

''اچھا پھر کیا ہوا؟'' وریشہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا۔ اماں، میدانِ جنگ میں اتر آئیں۔'' تابندہ کی آنکھوں کی روشنی میں یک دم ہی اضافہ ہوا تھا۔ ''دھان پان سی اماں بس دیکھنے میں ہی کمزور سی لگتی ہیں لیکن اپنے ارادوں میں حد درجہ مضبوط اور ثابت قدم، ابا کی ان کے سامنے ایک نہیں چلی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ابتہاج پڑھائی کے لیے ہاسٹل میں رہ سکتا ہے تو میری بیٹیوں کو کیا کانٹے لگے ہوئے ہیں۔''

''اوہ دیٹس گریٹ......'' اسے حقیقتاً سن کر خوشی ہوئی تھی۔ ''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''اس کے بعد ہم دونوں بھی بھائی کے پیچھے مری میں کانوینٹ میں پہنچ گئیں۔'' تابندہ کھلکھلا کر

ہنسی۔

''اوہ مائی گاڈ.....! مجھے یقین نہیں آرہا.....'' وریشہ نے سخت تعجب سے اسے دیکھا جو خاصی زندہ دل لڑکی تھی۔

''کسی کو بھی یقین نہیں آیا تھا۔ پورے خاندان کے لوگ ہر دفعہ جب ہم چھٹیوں پر گھر آتے تو ہمیں دیکھنے کے لیے ایسے آتے تھے جیسے کوئی عجوبہ دیکھنے آتا ہے۔ بھائی کا پڑھنا تو عام سی بات تھی لیکن ہم لڑکیوں کا ہاسٹل میں رہ کر پڑھنا سب کو بہت مشکل سے ہضم ہوا تھا، اماں بے چاری نے ہماری خاطر بہت تلخ جملے سہے اور ان کو صبر سے برداشت کیا۔ ہم دونوں نے بھی اماں کے اس اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا فخر جھلکا تھا۔

''سائرہ نے نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ایم بی بی ایس کیا اور آج کل اپنے میاں کے ساتھ نیوزی لینڈ میں ہوتی ہے۔ اس نے گائنی میں اسپشلائزیشن کی تھی۔ جب بھی گاؤں آتی ہے اماں سارے گاؤں کی خواتین کا مفت چیک اپ کرواتی ہیں۔ چاہے کسی کو کوئی بھی مسئلہ ہو یا نہ ہو۔'' تابندہ کی اس بات کو وریشہ نے خوب انجوائے کیا تھا۔

''دیکھ لیجیے گا صبح سے آپ کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔'' وہ ہنستے ہوئے اسے ڈرا رہی تھی۔

''اچھا.....لیکن میرا تو یہ آخری سال ہے ابھی تو مجھے ڈگری بھی نہیں ملی۔'' وریشہ نے گڑبڑا کر کہا۔

''بے شک نہ ملی ہو، یہ اماں کا مسئلہ تھوڑی ہے۔'' تابندہ نے اسے مزید ڈرایا جبکہ وہ اس کے لہجے میں شرارت کی فراوانی سے سمجھ گئی تھی کہ وہ محض اسے تنگ کر رہی ہے۔

وہ دونوں باتیں کرتے اندر والے حصے میں آگئی تھیں۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ گھر میں خواتین کا جمگھٹا کم ہو گیا تھا۔ کھانا بن چکا تھا۔ ایک ملازمہ اماں کو ان کی چارپائی پر ہی وضو کروا رہی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر بڑی شفیق سی مسکراہٹ دوڑی تھی، ایسی مسکراہٹ جو سامنے والے کو خاصی تقویت دے۔

''پیٹا ٹائٹس کی وجہ سے اماں کا جگر کافی حد تک خراب ہو چکا ہے۔ کافی دیر بعد علم ہونے کی وجہ سے اس بیماری نے ان کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ اب بھی علاج تو ہو رہا ہے لیکن ہر وقت ان کی وجہ سے ہم تینوں بہن بھائی اپ سیٹ رہتے ہیں۔'' تابندہ نے ان کے سامنے بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''اوہ، ٹیسٹ وغیرہ کروائے ہیں؟'' وریشہ کے چہرے کے تاثرات بھی تیزی سے تبدیل ہوئے تھے۔

''سب کچھ کروایا ہے، کچھ عرصہ یہ لاہور بھی ایڈمٹ رہی ہیں لیکن اسپتال کے ماحول سے یہ بہت گھبراتی ہیں، اس لیے مجبوراً ہمیں یہاں لانا پڑا۔ پرسوں میں بھی میاں کے ساتھ پندرہ دن کے لیے عمرہ کرنے جا رہی ہوں، ہم لوگ ان کی وجہ سے پریشان تھے۔ بھائی نے شاید آپ کے بابا کے سامنے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو بھجوا دیتے ہیں۔ بھائی نے تو بہت منع کیا تھا، وہ خاصے شرمندہ بھی ہو رہے تھے لیکن.....'' وہ خاصی خفت محسوس کر رہی تھی۔

''اوہ آئی سی.....'' وریشہ کو ڈھیروں وزن اپنے اعصاب سے اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے ایک دم ہی بابا پر بے انتہا غصہ آیا تھا' اگر ایسی کوئی بات تھی تو وہ اسے صاف صاف بھی بتا سکتے تھے اس طرح پُراسرار طریقے سے بھجوانے کی بھلا کیا تک بنتی تھی اور وہ موصوف بھی سارے راستے منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہے۔ دنیا جہاں کی باتیں کر لیں لیکن اصل بات کو دل کے پنجرے سے باہر نہیں نکالا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس قدر رازداری رکھنے پر بابا سے لڑنے کے

منصوبے بنا رہی تھی جبکہ اس کی خاموشی سے گھبرا کر تابندہ شرمندگی سے وضاحت دے رہی تھی۔

''اصل میں سائرہ بھی یہاں نہیں ہے اور باقی خاندان میں کوئی بھی پڑھی لکھی لڑکی نہیں، کچھ دن پہلے پھوپھو بے چاری نے کچھ غلط قسم کی میڈیسن بھی اماں کو دے دیں اندازے سے، جس سے خوب مسئلہ ہوا، تب سے بھائی بہت ڈر گئے تھے۔''

''اٹس اوکے یار.....نو پرابلم تم ٹینشن نہ لو۔'' وریشہ نے اس کی الجھن دور کرتے ہوئے تسلی دی۔

''مجھے بابا نے بتایا تھا۔'' اس نے اس کا دل رکھنے کو غلط بیانی کی تو وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

''تھینکس گاڈ! اصل میں، میں اور سائرہ تو بہت ڈرے ہوئے تھے۔ سائرہ کو بھی چھٹی نہیں مل رہی تھی۔ ورنہ وہ پاکستان آجاتی جبکہ میرے میاں بھی آج کل فارغ تھے۔'' وہ ابھی بھی وضاحت دے رہی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تابندہ..... میں نے کہا نا اٹس اوکے.....'' وریشہ نے اس کا ہاتھ دبا کر بہت محبت اور خلوص سے کہا تھا جبکہ تابی یک ٹک وریشہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وریشہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں اماں کہہ رہی تھیں کہ تمہاری آنکھیں بہت خوب صورت ہیں، میں نے بھی ابھی ابھی دیکھا تو مجھے ان کی بات کا یقین آیا، بہت چمکدار اور دن کی روشنی کی طرح روشن اور بہار کی صبح کی طرح اجلی۔'' اس کی بات پر وریشہ بری طرح جھینپ گئی۔ اس کے رخساروں پر شرم بہت تیزی سے پھیلی تھی۔ تابندہ نے بہت دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ اگلا دن پورا اس کے ساتھ رہی تھی اس نے ایک لمحے کے لیے بھی وریشہ کو بور ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے اڑوس پڑوس میں رہنے والے رشتے داروں کے گھر اور زمینوں پر بھی لے گئی تھی۔ وریشہ نے کافی عرصے کے بعد خوب کھل کر انجوائے کیا تھا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والی ایک دو لڑکیوں کو اردو سمجھ میں آتی تھی اور وہ کچھ نہ کچھ بول بھی لیتی تھیں۔ تابندہ نے ان کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ وقفے وقفے سے ان کے گھر کا چکر لگاتی رہیں۔ تابندہ کے جانے کے بعد گھر میں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ ہلے گلے کی خاصی شوقین تھی۔ اس کے جانے کے بعد وریشہ نے بابا کو کال کرنے کی کوشش کی ان کا نمبر بند جا رہا تھا۔ کچھ ان کے گاؤں میں سیل فون کے سگنلز کا کافی مسئلہ تھا۔ سگنلز ایک دم غائب ہو جاتے تھے۔ یہ چیز اسے خاصی جھنجلاہٹ کا شکار کر رہی تھی۔

☆☆☆

ابتہاج جو اس دن کا گیا پھر لوٹ کر نہیں آیا تھا البتہ اماں کے سیل فون پر اس کا صبح شام باقاعدگی سے فون آرہا تھا۔ اماں کو کبھی اس کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی تو کبھی وہ وہاں سے شور مچا رہا ہوتا تھا کہ آواز نہیں آرہی۔ ایک دن سائرہ کی بھی نیوزی لینڈ سے کال آگئی۔ اس دن خوش قسمتی سے سگنل کافی آرہے تھے اس لیے دونوں طرف کی بات سمجھ آرہی تھی۔ اماں گول تکیے سے ٹیک لگائے بہت محبت اور شفقت سے اپنی زبان میں بہت روانی سے اس سے گفتگو کرنے میں مگن تھیں جس کو سمجھنے سے وریشہ بالکل قاصر تھی۔ ایک آدھ لفظ ہی پلے پڑ رہا تھا۔ اماں نے بات کرتے کرتے سیل فون اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونک گئی۔ دوسری طرف سائرہ بہت محبت اور بے تکلفی سے اس کا حال احوال پوچھ رہی تھی۔

''تم سے تو ملاقات نہیں ہو سکی لیکن ایک دفعہ ارسلہ سے لاہور میں بھائی نے ملوایا تھا۔ وہ بہت مزے دار لڑکی ہے۔'' سائرہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وریشہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گئی۔ یہ تینوں بہن بھائی ہی اسے قدم قدم پر چونکا رہے تھے۔

''اچھا، کب کی بات ہے یہ؟'' وہ اس کے ''مزے دار'' والے کمنٹس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ آج سے تین سال پہلے جب میں شادی کی شاپنگ کرنے لاہور آئی تھی تب بھائی اور ارسلہ نے خوب مجھے لبرٹی، اوریگا اور فورٹریس میں گھمایا تھا۔ تمہاری ماما نے مجھے شادی کا لہنگا پسند کرنے میں خاصی مدد دی تھی۔ تمہارے گھر بھی میں آئی تھی لیکن تم ان دنوں..... راول پنڈی میں تھیں۔'' وہ بہت مزے سے کہہ رہی تھی۔

''اچھا مجھے اس کا علم نہیں۔'' اس نے شرمندگی سے کہا ویسے بھی ماما اور ارسلہ کا ملنا ملانا خاصا تھا، دونوں ہی اس معاملے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں جبکہ وہ حد درجہ تنہائی پسند اور اپنے آپ میں مگن رہنے والی تھی۔

''تمہاری ماما کے انتقال کا مجھے بھائی نے بتایا تھا، میں اس وقت بھی نیوزی لینڈ میں تھی یقین مانو کہ بہت دل دکھا کہ وہ اس قدر خوب صورت اور پُروقار خاتون تھیں..... کوئی ان کو بھلا ہی نہیں سکتا۔'' وہ بہت دل سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں، ماما کی ڈیتھ کا تو ہمیں بھی ابھی تک یقین نہیں آتا۔ ایسے لگتا ہے کہ اپنے ڈیپارٹمنٹ گئی ہیں اور شام کو یونیورسٹی سے گھر آجائیں گی۔'' وہ افسردہ انداز میں گویا ہوئی، دوسری طرف شاید سائرہ نے بھی شاید اس کی رنجیدگی کو محسوس کرلیا تھا تبھی بات کو دانستہ پلٹتے ہوئے قدرے رازدارانہ مگر شریر انداز میں بولی۔

''ویسے تم دیکھنے میں کیسی ہو؟ میں نے بھائی سے پوچھا تھا کہ کیا ارسلہ کی طرح خوب صورت ہے؟ بھائی نے ہنستے ہوئے کہا تھا نہیں، اس سے زیادہ خوب صورت ہے بالکل میڈم شائستہ کی طرح۔'' سائرہ کی بات پر وریشہ کا دل ایک لمحے کو بے ہنگم انداز میں دھڑکا تھا۔ دوسری طرف وہ اس کے جھینپ کر ہنسنے پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

''اماں تمہاری بہت تعریف کررہی تھیں اور ابو بھی کہہ رہی تھیں کہ بہت خیال رکھ رہی ہے اور وقت پر میڈیسن دیتی ہے اور صبح شام ٹمپریچر بھی چیک کرتی ہے۔ میں نے ان کو سنجیدگی سے ایک مشورہ دیا ہے۔'' اپنی بات کرکے وہ ایک لمحے کو رکی۔ ''پتا ہے کیا؟''

''کیا.....؟'' وریشہ نے سنبھل کر پوچھا۔ اتنا تو اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ تابندہ کے مقابلے میں خاصی پُراعتماد بھی ہے اور صاف گو بھی۔ بغیر کسی لگی لپٹی کے بات کرنے والی۔

''یہ ہی کہ بھائی کے لیے کوئی ڈاکٹر ہی ڈھونڈ لیں، فائدے میں رہیں گے۔'' وہ ایک دفعہ پھر بلند آواز میں ہنس رہی تھی۔ ''تمہاری کوئی کولیگ وغیرہ ہو تو مجھے بتانا.....'' وہ خاصی بے تکلفی سے کہہ رہی تھی۔

''جی ضرور.....'' وریشہ اس سے زیادہ بھلا کیا کہتی اس لیے چپ رہی۔

''ویسے تم ارسلہ کے مقابلے میں بہت کم گو سی لگ رہی ہو، اماں بھی بتا رہی تھیں کہ فالتو باتیں نہیں کرتی ہو، میں نے کہا، یہ بھی ٹھیک ہے لیکن آپ کی زبان ہی اس بے چاری کو نہیں آتی تو وہ کیا بات کرے۔'' سائرہ کے سو فیصد درست اندازے پر وریشہ کو خاصی حیرت ہوئی تھی۔ اس کا مشاہدہ خاصا تیز تھا جو اتنی دور بیٹھ کر بالکل ٹھیک ٹھاک اندازے لگا رہی تھی۔

''نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں، پڑوس سے نائلہ وغیرہ آجاتی ہیں، ان سے گپ شپ لگتی رہتی ہے۔'' اس کی سادہ سی بات پر وہ بری طرح چونکی۔

''نائلہ کی بڑی بہن سدرہ تو نہیں آتی ہوگی؟''

اس نے قدرے رازدارانہ انداز میں دریافت کیا تھا۔

''جی، ایک دفعہ آئی تھیں لیکن زیادہ بات نہیں ہوئی۔'' وریشہ نے کچھ سوچ کر کہا اور سچ بات تھی کہ اسے وہ نک چڑھی اور قدرے مغرور سی لڑکی بالکل اچھی نہیں لگی تھی جسے اپنے ایف اے پاس کرنے کا خاصا زعم تھا۔

''وہ زیادہ بات کرے گی بھی نہیں۔'' سائرہ کی بات پر وہ بری طرح چونکی۔

''وہ کیوں.....؟''

''اصل میں اسے لگتا ہے کہ وہ خاندان کی سب سے پڑھی لکھی لڑکی ہے اس لیے ابتہاج بھائی پر اس کا پہلا حق ہے۔ اس کی والدہ اماں کی خالہ زاد بہن ہیں۔ ان لوگوں نے خاندان والوں کے ذریعے کہلوایا تھا لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ بھائی نے صاف انکار کردیا اور دوسری بات یہ کہ اماں کو بھی وہ اپنی عادات کی وجہ سے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے بالکل پسند نہیں تھی۔'' وہ بڑی بے تکلفی سے بتا رہی تھی جبکہ وریشہ کو اس کی بات پر عجیب سی الجھن اپنے اندر تیزی سے پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ بات نہیں ہوسکتی تھی تبھی اس نے دو چار باتیں کرکے فون اماں کو پکڑا دیا تھا اور اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ وہ حد درجہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہورہی تھی۔ بابا کو کال کی تو ان کا نمبر بند جارہا تھا۔ ارسلہ کو کال ملائی تو بیلنس کم تھا، مجبوراً اپنی روم میٹ نویلہ کا نمبر ملایا اور اس سے کالج کا حال احوال پوچھا تو پتا چلا کہ آج کل اسپتال میں کوئی ہڑتال چل رہی ہے اور پروفیسرز اس میں مصروف ہیں اس لیے کلاسز بھی نہیں ہورہیں اور وہ بھی اپنے شہر چکوال جارہی ہے۔ وریشہ نے تنگ آکر فون بند کیا۔ ٹی وی چلایا تو پتا چلا کہ یہاں صرف پی ٹی وی آتا ہے، کچھ دیر بعد اس نے جھنجلا کر اسے بھی بند کردیا۔

وہ تنگ آکر ایک دفعہ پھر باہر نکل آئی۔ موسم نے ایک دم ہی انگڑائی لی تھی۔ سرمئی دھنکی ہوئی روئی جیسے بادل اچانک ہی آسمان پر نمودار ہوگئے تھے۔ تخت پر اماں اور پھپھو نہ جانے کون سی باتوں میں مگن تھیں اسے دیکھ کر چونک گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی..... آج اماں کی طبیعت خاصی بہتر تھی اور آج کافی دن بعد انہوں نے کھانا بھی ڈھنگ سے کھایا تھا۔ وہ دونوں ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں اس سے بات کرکے اسے کمپنی دینے کی کوشش کررہی تھیں۔ وریشہ کو ان کے اس انداز پر ہنسی آگئی۔ ان لوگوں کو تو وریشہ کی بات سمجھ میں آتی تھی جبکہ اب تو اسے بھی کافی حد تک ان کی زبان سے واقفیت ہوتی جارہی تھی۔

''رہنے دیں خالہ، کہاں متھا ماررہی ہیں؟''

سدرہ ایک پلیٹ میں کڑی چاول ڈالے اچانک ہی پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ گہرے نارنجی رنگ میں اس کا سانولا رنگ اور بھی گہرا لگ رہا تھا۔ سائرہ سے بات کے بعد وریشہ نے اب کے غور سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے نقوش خاصے دلآویز تھے اور قد بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ وہ بس رنگت میں تھوڑی مار کھاتی تھی یا پھر مزاج کی کرختگی نے اس کی شخصیت کا حسن دھندلا دیا تھا۔ وریشہ کو ابھی ابھی اندازہ ہوا تھا کہ اسے بات بات پر طنز کرنے کی خاصی بری عادت تھی۔

اس کی آمد پر بوا کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو متغیر ہوا تھا۔ انہوں نے خاصی ناگواری سے اماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا تھا۔ سدرہ کے بیٹھتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سدرہ کے لبوں پر بڑی زہر آلود سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''بیٹھ جاؤ بوا، کبھی ہم غریبوں کے پاس بھی بیٹھ جایا کرو، جن کو تمہاری زبان پلے نہیں پڑتی، ان کے ساتھ تو گھنٹوں گونگے بہروں والی اشاروں کی زبان

میں بھی باتیں ہوجاتی ہیں جبکہ ہمارے لیے تو تمہیں ٹائم ہی نہیں ملتا۔“ وہ دانستہ اردو میں بولی تھی اس کی بات پر وریشہ دنگ رہ گئی۔ اس نے صاف چوٹ کی تھی۔ اماں اور بوا کو بھی حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اس حیرت میں ناگواری اور ناپسندیدگی کا عنصر واضح تھا۔

بوا نے اپنی زبان میں انگلی اٹھا کر اسے کوئی وارننگ دی...... جسے سن کر سدرہ کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا تھا جبکہ اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھیں، سامنے بنے باورچی خانے میں چلی گئیں۔ وریشہ کو اپنا آپ خاصا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اماں نے بھی اپنا سفید ململ کا دوپٹا منہ پر ڈال کر ٹانگیں سیدھی کرلی تھیں۔ وریشہ بھی ان کے تخت سے اٹھ کر قدرے فاصلے پر رکھی چارپائی پر سدرہ کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ سدرہ کے چہرے پر بڑے عجیب سے تاثرات تھے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپکتا حسد اور خود غرضی کے جذبات کوئی بھی سمجھ سکتا تھا۔

”یہ بوا خاصی کینہ پرور خاتون ہیں، ان سے بچ کر رہنا، یہ نہیں چاہتیں کہ ابتہاج کی شادی ہو اور ان کی راج دھانی میں کوئی اور آئے۔“ وہ اب اس کی طرف جھک کر خاصے دھیمے انداز میں اسے خبردار کررہی تھی۔ وریشہ کو اس غیر متعلقہ بات پر خاصا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے سامنے باورچی خانے کے فرش پر بیٹھی بے ضرر سی خاتون کو دیکھا جو پالک صاف کررہی تھیں۔ وریشہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر وہ مزید گویا ہوئی۔

”ہماری خالہ تو بے چاری سیدھی سادی خاتون ہیں، ان کی اس نند نے ساری زندگی ان کی سادگی کا فائدہ اٹھا کر ان کو بے وقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کیا ہے۔ اولاد ان کی تھی نہیں، میاں کو بھی ورغلا کر یہاں لے آئی ہیں اور تب سے یہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتیں اور باقی خاندان والوں کے خلاف خالہ کو بھڑکاتی رہتی ہیں۔ انہوں نے میرا اور ابتہاج کا رشتہ تڑوایا ہے۔“ وہ حد درجہ بدگمان تھی اس کی آنکھوں میں پھیلی نفرت اور بیزاری نے وریشہ کو بے اختیار پہلو بدلنے پر مجبور کیا تھا۔

”میں بچپن سے ابتی کی منگ ہوں، اس نے دل سے اس رشتے کے ختم ہونے کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے کہیں اور رشتے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔“ وہ خاصی خوش فہم بھی تھی۔ وریشہ کو ایک لمحے میں اس بات کا ادراک ہوا تھا۔

”اچھا، کیا انہوں نے ایسا تمہیں خود کہا تھا؟“ وریشہ کو اس کیس میں تھوڑی سی دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی بات پر وہ فوراً شرما گئی۔

”ایسی باتیں کہنے والی تھوڑی ہوتی ہیں، ہر رشتے میں تو وہ کوئی نہ کوئی میخ نکال کر انکار کردیتا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے ناں......“ اس کی غلط فہمیوں کی داستان خاصی لمبی تھی۔

”اچھا...... پھر مسئلہ کیا ہے؟“ اس نے بہ مشکل اپنی مسکراہٹ چھپا کر پوچھا۔

”سارا مسئلہ ان چڑیل بوا کا ہے، پتا نہیں کیا گند بلا اس کے ذہن میں بھر رکھا ہے، وہ تو اب شادی کے نام سے ہی خار کھانے لگا ہے حالانکہ خالہ کو سخت ضرورت ہے کہ کوئی ان کی دیکھ بھال کے لیے چوبیس گھنٹے موجود ہو۔ اب دیکھو نا سارا خاندان باتیں بنا رہا ہے کہ پرائی جوان لڑکی کو گھر میں تیمارداری کے لیے بلا رکھا ہے۔ سارا خاندان لڑکیوں اور عورتوں سے بھرا پڑا ہے، مزارعوں کی گھر والیاں بھی سارا دن یہیں مفت کی روٹیاں توڑتی ہیں۔ کون سا خدمت کرنے والوں کی کمی تھی۔ بس ہماری ناک کٹوانی تھی......“ اس کا لہجہ خاصا تلخ تھا۔ وریشہ نے الجھن بھرے انداز میں اسے دیکھا جو آج خاصی فرصت سے بیٹھی تھی۔

”تم کب جاؤ گی اپنے گھر......؟“ اس کا انداز وریشہ کو خاصا برا لگا تھا۔

”جب تابندہ عمرہ کر کے آجائے گی۔“ وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

”لو اسے آنے میں تو ابھی پورے دس دن پڑے ہیں۔“ اسے سن کر خاصی مایوسی ہوئی تھی اور اس کا چھپانا بھی اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وریشہ خاموش رہی۔ ”ویسے میرا خیال ہے کہ بندے کو حج اور عمرہ فارغ ہو کر بڑھاپے میں کرنا چاہیے، تمہارا کیا خیال ہے؟“ سدرہ نے اپنا ذاتی فلسفہ جھاڑا تھا جس سے وہ قطعاً متفق نہیں تھی۔

”بس جب بھی اللہ کسی کو بلا لے اپنے گھر۔“ اس کی بات پر سدرہ کو خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

”دیکھو ناں ابھی جمعہ جمعہ چار دن تو ہوئے ہیں تابی کی شادی کو، مجال ہے کہ اپنے سسرال میں ٹک کر بیٹھی ہو، ماں کی بیماری کا بہانہ کر کے ہفتے میں چار دن تو وہ یہاں رہتی ہے۔“ اسے سب ہی سے شکایتیں تھیں۔

”خیر وہ بہانہ تو نہیں کرتی، اماں ٹھیک ٹھاک بیمار ہیں۔“ وریشہ خود کو کہنے سے نہ روک پائی۔

”تو وہ کون سا ڈاکٹر ہے......“ اسے سخت برا لگا تھا۔ ”اب اگر اس کا میاں کوئی کورس کرنے ملک سے باہر گیا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سسرال میں ٹکا ہی نہ جائے...... اب میاں کو آئے پاکستان میں مشکل سے ہفتہ ہی ہوا ہے کہ محترمہ سعودی عرب چلی گئی ہیں۔“ اس کی باتوں نے وریشہ کے سر میں اچھا خاصا درد کردیا تھا لیکن مجبوری تھی کہ اماں سو چکی تھیں اور اسے جب تک وہ تھی وہیں بیٹھنا تھا۔

”اور پھر ساس، سسر کو ساتھ لے جانے کا کیا فائدہ...... اب بندہ ان بوڑھوں کو ہی سنبھالتا رہے۔ مجھے تو تابی کا میاں بڑا ہی خرانٹ لگتا ہے۔ اب مجھے سمجھ آئی کہ وہ اپنی بیوی کو ماں، باپ کی خدمت کے لیے لے کر گیا ہوگا۔ میرے جیسی ہوتی تو جانے سے ہی انکار کردیتی۔“ وریشہ نے تاسف بھری نظروں سے اس لڑکی کو دیکھا، جس کو خاندان میں اپنے پڑھے لکھے ہونے کا دعویٰ تھا۔ وہ اپنی سمجھ میں آنے والی اس ”اچانک“ بات پر خاصی خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اپنی اس سمجھداری کی مزید تصدیق کروانا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت بوا تین چائے کی پیالیاں ٹرے میں رکھ کر نمودار ہوئیں۔ وریشہ نے سکون کی سانس لی۔ اسے شدید طلب ہورہی تھی۔

”تم تو چائے نہیں پیتی ہو ناں...... اس لیے میں نے تمہارے لیے نہیں بنائی۔“ بوا کی بے مروتی اور بدلحاظی بھی عروج پر تھی۔ بے رخی کا یہ مظاہرہ اور وہ بھی مہمان کے سامنے سدرہ کے لیے انتہائی کوفت کا باعث بنا تھا۔ اس لیے وہ جل کر بولی تھی۔

”مجھے کوئی شوق نہیں اتنی گرمی میں اپنا کلیجا سڑانے کا، آپ ہی پیو یہ چائے......“ وہ پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے گئی تھی۔ وریشہ نے بہ مشکل اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا تھا لیکن اس کے جاتے ہی جس طرح فوراً اماں نے اپنے منہ سے دوپٹا ہٹایا تھا وریشہ کو حیرت ہوئی۔

”آپ سوئی نہیں تھیں کیا؟“ وریشہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

اماں نفی میں سر ہلا کر معصومیت سے ہنسنے لگیں۔ وریشہ کو اس لمحے وہ بہت پیاری لگیں۔

”بھرجائی خود تو ایسے موقع پر چادر تان لیتی ہیں اور یہ جنجال ہمیں بھگتنا پڑجاتا ہے۔“ بوا ذرا خفگی بھرے انداز میں بولیں۔

”خیر ہے سکینہ اپنا دل وڈا کر۔“ اماں متانت

سے بولی تھیں۔

''ہم سے نہیں ہوتے وڈے دل، پورے چک میں ماں بیٹیاں مجھے بدنام کرتی پھرتی ہیں کہ میں نے ان کا رشتہ تڑوایا ہے۔ بندہ پوچھے جو رشتہ ہوا ہی نہیں اس کے ٹوٹنے کا کیا سوال۔ خود ہی مشہوری کردی اور جب منڈے نے صاف انکار کردیا تو اب دنیا کو بتاتے پھر رہے ہیں کہ پھپھو نے لت (ٹانگ) ماردی رشتے میں۔ اکو اک میرا بھرا سی، تے اکو اک میڈا بھتیجا..... سب نال زیادہ تو مجھ نمانی کو اس کے ویاہ کے چاہ ہیں اور مجھ پر الزام.....'' بوا غصے میں تیز تیز چسکیاں لے کر چائے پی رہی تھیں۔

''چل چھڈ تو اپنا دل برا نہ کر.....'' اماں نے ان کو دلاسا دیا۔

''بھرجائی، بے شک پوچھ لے اس بچی سے، اسے یہ کہانی سنا کے گئی ہوگی کم بخت.....'' بوا کے سو فیصد درست اندازے پر وریشہ کو سخت تعجب ہوا تھا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

''ہے نا دھی رانی.....'' بوا نے یقین دہانی کے لیے اس کی طرف دیکھا تو اسے شدید حیرت ہوئی جب اس نے اماں کو بڑی سرعت سے نفی میں سر ہلا کر اسے نہ بتانے کا اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اسے یہ سوچ کر ہی دھچکا لگا تھا کہ انہوں نے سدرہ کی تلخ گفتگو کو خود اپنی سماعتوں سے سنا تھا ورنہ وہ اسے منع نہیں کرتیں۔

''نن نہیں بوا، وہ تو اپنی ہی باتیں کررہی تھی۔'' اس نے گڑبڑا کر مصلحتاً جھوٹ بولا تھا۔

''وہ کہاں کی پروفیسر لگی ہے جو اپنی باتیں کرے گی۔ صغراں کی بیٹیوں کی رگ رگ سے واقف ہوں، آج کل وہ ہر جگہ بس مجھے بدنام کرنے کا کھاتا کھول رہی ہیں۔'' بوا بھی ان کے بارے میں ضرورت سے زیادہ آگاہ تھیں۔ اس لیے ان کا موڈ ابھی تک خراب تھا۔

''آج پتا نہیں کڑی کہاں سے پکا کر لے آئی ورنہ پہلے تو ایسی سوغاتیں تو بس ہمارے پُتر کے آنے پر ہی دیکھنے کو ملتی تھیں۔'' وہ ابھی تک غصے سے بڑبڑا رہی تھیں۔

''واہ بوا چائے تو بڑے مزے کی بنائی ہے۔'' اس نے محض ان کی توجہ دوسری طرف مبذول کروانے کے لیے کہا تھا۔

''اچھا، واقعی.....؟'' وہ واقعی بچوں کے سے انداز میں خوش ہوگئی تھیں۔

''یہ تمہارے سوٹ پر کڑھائی کس نے کی ہے؟'' ان کی توجہ اس کے کاسنی رنگ کے سوٹ پر کی گئی کڑھائی کی طرف ہوگئی تھی۔

''یہ تو ریڈی میڈ ہے، مطلب کہ ایسے ہی بازار سے لیا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو انہوں نے توصیفی نظروں سے ایک دفعہ پھر اس کو بغور پکڑ کر دیکھا۔ دوپٹے کے پلو پر بھی نازک سی بیل بنی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ بوا کی توجہ دوسری جانب ہونے سے اماں نے بڑی لمبی سکون کی سانس لی تھی۔ وہ دونوں ایک دفعہ پھر اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی بے ضرر سی باتوں میں مصروف ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

گرمی میں ایک دم اضافہ ہوگیا تھا۔ اسے وہاں آئے ہوئے پورے سات دن ہوچکے تھے۔ اس دوران ایک دفعہ بھی بابا سے بات نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات اسے حد درجہ کوفت اور جھنجلاہٹ میں مبتلا کررہی تھی۔

''حد ہے کسی کو میری پروا نہیں.....'' یہ فقرہ آج اس نے کوئی بلا مبالغہ ہزار دفعہ سوچا تھا۔ پہلے تو ہر تیسرے یا چوتھے دن ارسلہ کی بھی کال آجاتی تھی لیکن اس دفعہ تو اس نے بھی کمال کردیا تھا۔ وہ ان سب

سے بری طرح دل ہی دل میں خفا ہوچکی تھی۔ اس دفعہ اس نے بھی پکا تہیہ کرلیا تھا کہ اب خود سے ان کو کال نہیں کرنی۔ بابا کا نمبر تو ویسے ہی بند تھا۔ اوپر سے وہ بھی اسے چھوڑ کر جو گیا تو دوبارہ نہیں آیا۔ وہ اس سے بھی کئی گلے دل ہی دل میں پال چکی تھی۔

اس دن رات کو اماں کی طبیعت ایک دم ہی بگڑ گئی تھی۔ اس کے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ گھر کے سب لوگ جو اس کی وجہ سے مطمئن تھے اسے حواس باختہ دیکھ کر خود بھی گھبرا گئے۔ اس نے پھوپا کو فوراً گاڑی نکالنے کو کہا۔ اماں کی حالت بالکل بھی ٹھیک نہیں تھی۔ پھوپا بار بار ابتہاج کو فون کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ جب اس نے قدرے سختی سے انہیں کہا کہ اماں کو جلد از جلد ایمرجنسی میں لے جانے کی ضرورت ہے۔ اس وقت رات کے تقریباً دو بج رہے تھے جب وہ لوگ نشتر اسپتال کی ایمرجنسی میں پہنچے۔ راستے میں وریشہ نے اپنے ایک دو سینئر کو سوتے سے اٹھا کر نشتر اسپتال میں کسی جاننے والے ڈاکٹر کا پوچھا تھا۔ اس کی بھاگ دوڑ خاصی کام آئی تھی جب تک وہ لوگ ایمرجنسی میں پہنچے ایک دو ڈاکٹرز سے رابطہ ہو ہی گیا تھا جس کی وجہ سے ان کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اماں کو جاتے ہی خاصا پروٹوکول مل گیا تھا۔ بوا کے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی۔ پریشانی سے ان کی رنگت زرد ہوچکی تھی۔ پھوپا خود بھی گھبرائے ہوئے تھے۔ ابتہاج سے ان کا آخر رابطہ ہو ہی گیا۔

''وریشہ کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟'' اس کی اچانک ہی اس کے نمبر پر کال آگئی تھی۔ وہ حد درجہ پریشان تھا۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے بالکل چپ کرگئی اور پھر کچھ محتاط لفظوں میں بولی۔

''وہ بہتر نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' وہ انتہائی عجلت میں بولا۔

خوش فہمی

ایک ماہرِ ازدواجیات چند شہریوں کو لیکچر دے رہا تھا۔ آخر میں اس نے کہا۔

''اگر کسی شخص کی بیوی سیدھی سادی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ وہ چالاک ہوجائے تو وہ کھڑا ہوجائے۔''

سب خاموش رہے، ایک آدمی اٹھا تو ماہرِ ازدوجیات نے کہا۔ ''اچھا تو آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیوی چالاک ہوجائے۔''

وہ آدمی مایوس ہو کے بیٹھ گیا اور بولا۔

''میں سمجھا آپ نے کہا ہے کہ ہلاک ہوجائے۔''

از: سیدہ فرزانہ، حجرہ شاہ مقیم

تجربے کی بات

ایک صاحب نے کتب فروش سے پوچھا۔ ''آپ کے پاس پانچ دس سال پرانے رسالے ہوں گے۔''

دکاندار نے کہا۔ ''جی ہاں مل جائیں گے، کیا آپ کو کسی خاص مضمون کی تلاش ہے۔''

''جی نہیں، میں نے اسی سال ایم بی بی ایس کیا ہے اور اپنا کلینک کھول رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے مریض مجھے نیا ڈاکٹر نہ سمجھیں۔''

مرسلہ: نورافشاں، شکارپور

''مطلب یہ کہ اس قسم کے مرض میں جو کچھ خطرے کے سائن ہوتے ہیں ان میں سے کچھ ظاہر ہورہے ہیں۔'' اس نے اب کچھ کھول کر بتانے کی کوشش کی تھی۔ دوسری طرف اس کی بات پر اسے سخت دھچکا لگا تھا۔ اس لیے کافی دیر تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''اٹس اوکے..... میں آرہا ہوں۔'' وہ فون بند کرچکا تھا۔ وریشہ کو ایک دم ہی ایسا لگا جیسے کائنات کی نبض تھم سی گئی ہو۔ وہ صبح ساڑھے چھ بجے کے قریب پہنچا تھا۔ اس وقت اماں دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ وہ سیدھا وہاں آیا تھا اس وقت وہ ڈاکٹر اسد کو اماں کی فریش رپورٹس دکھا رہی تھی۔ انہیں پرائیوٹ روم میں شفٹ کردیا گیا تھا۔ بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں وہ خاصا مضطرب تھا۔ اس کی آنکھیں رت جگے کی وجہ سے سرخ تھیں۔ پھوپا جی اس کے ساتھ تھے اور اس کو رات کا واقعہ تفصیل سے بتا رہے تھے۔

''اب کیسی حالت ہے اماں کی.....؟'' وہ حد درجہ بے چینی سے ان کی طرف لپکا تھا۔

''اب اللہ کا شکر ہے ان کی حالت کافی بہتر ہے۔'' ڈاکٹر اسد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تھا۔

''یہ ان کے چہرے پر سوجن کیوں محسوس ہورہی ہے؟'' وہ تھوڑا سا مضطرب ہوا۔ ڈاکٹر اسد اور وریشہ نے ایک دم ہی ایک دوسرے سے آنکھیں چرائی تھیں۔

''اللہ بہتر کرے گا۔'' ڈاکٹر اسد نے ایک دفعہ پھر ان کو تسلی دی اور وریشہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ایسا ہے وریشہ کہ میری ٹائمنگ تو ختم ہوگئی ہے اپنے ایک اور کولیگ کو میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً یہاں کا وزٹ کرتا رہے گا پھر بھی کوئی ایمرجنسی ہو تو آپ مجھے کال کرسکتی ہیں۔''

''تھینک یو ڈاکٹر اسد.....'' وہ حد درجہ ممنون تھی۔

''یہ میرے سینئر تھے انہوں نے رات کافی ہماری ہیلپ کی ورنہ سرکاری اسپتالوں میں تو آپ کو پتا ہے کہ جان پہچان کے بغیر اتنی جلدی کام نہیں ہوتے۔'' ڈاکٹر اسد کے جاتے ہی اس نے بتایا۔

''تھینکس وریشہ، آپ اگر نہ ہوتیں تو شاید کافی پرابلم ہوتی۔ پھوپا بتا رہے تھے کہ ان کو تو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اللہ آپ کو اجر دے گا۔'' وہ حد درجہ مشکور تھا۔ اس کا انداز ویسا ہی تھا انتہائی نرم اور دھیما، وریشہ کو نہ جانے کیوں اپنی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ اپنی اس کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ اب اماں کے بالکل پاس کھڑا تھا اور ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ مجھے سائرہ کو کہہ دینا چاہیے کہ وہ آجائے.....'' وریشہ کو اس کا لہجہ بھیگا ہوا محسوس ہوا تھا۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ اماں کی حالت کی سنگینی کو سمجھ سکتی تھی لیکن وہ اس سے بھی زیادہ سمجھدار تھا۔

''اللہ بہتر کرے گا، مایوس کیوں ہوتے ہیں؟'' وریشہ ایک دم ہی اس کے سامنے آکر بولی تھی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو وریشہ کو بے اختیار ہی اس کی سرخ مگر کچھ بولتی ہوئی آنکھوں سے پہلی دفعہ ڈر لگا تھا۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی تھی۔

''آپ ڈاکٹر ہو کر جھوٹی تسلی دیتی ہیں۔'' اس کا انداز حد درجہ آزردہ تھا۔

''میں ڈاکٹر ہونے سے پہلے مسلمان بھی ہوں اور مومن کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔'' اس نے ایک دم ہی اسے لاجواب کردیا تھا۔

اگلے دو دن اس نے لمحہ لمحہ اماں کے ساتھ

گزارہ۔ اماں کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو انہوں نے گھر جانے کی ضد شروع کردی تھی۔ وہ اس وقت بالکل ایک ضدی بچے کی طرح لگ رہی تھیں، مجبوراً چار دن کے بعد ان کو گھر لے جانا ہی پڑا۔ گھر پہنچتے ہی وہ خاصی خوش تھیں اور وریشہ نے ان کو بات بے بات مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ سائرہ اور تابندہ دونوں ہی ان کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھیں۔ ان کی بار بار کالز آرہی تھیں۔ وریشہ کو خود ان کی بیماری نے بوکھلا دیا تھا۔ وہ خود بھی سب کچھ بھلائے ہوئے تھی۔ آج کل تو اس کا دھیان بابا اور ارسلہ کی طرف بھی نہیں جارہا تھا۔ وہ تو اچانک ہی بابا کی غیر متوقع کال آگئی تو اسے احساس ہوا۔ اس دن سگنل کا بھی کچھ مسئلہ تھا اس لیے کچھ بات سمجھ میں آرہی تھی اور کچھ نہیں۔ اسے یاد تھا کہ وہ بار بار ابتہاج کی والدہ کا خیال رکھنے کو کہہ رہے تھے۔ اسی دوران کال کٹ گئی، وہ بہت افسردہ ہوئی۔ اس دن شام کو وہ اماں کا ٹمپریچر چیک کررہی تھی۔ وہ اپنے مخصوص تخت پوش پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کے بالکل پاس کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے ابتہاج آج کا اخبار پڑھنے میں مگن تھا۔ بوا سامنے صحن میں کچھ خواتین سے گندم صاف کروانے میں مصروف تھیں۔ اسی وقت سامنے سے سدرہ اور نائلہ آتی ہوئی دکھائی دیں۔ اماں نے بھی ان کو دیکھ لیا تھا۔ آج کل ویسے بھی ان کی عیادت کرنے والوں کی آمد و رفت بہت زیادہ تھی۔

''اماں آج دوپٹا منہ پر رکھ کر سونے کا ارادہ نہیں؟'' اس نے اپنی طرف سے سرگوشی میں شرارت کی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اماں اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیں گی۔ ابتہاج نے چونک کر قدرے خوشگوار انداز سے ان کو ہنستے ہوئے دیکھا جبکہ وہ اپنی خجالت مٹانے کے لیے جھینپ سی گئی۔ ابتہاج اس کی بات کے پس منظر سے واقف نہیں تھا اس لیے تعجب سے اماں کو ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''خیر ہے خالہ، آج تو بڑے قہقہے لگائے جارہے ہیں۔'' سدرہ کی طنزیہ نظریں اسے ہی شرمندہ کرتی تھیں لیکن اس وقت ابتہاج کی موجودگی نے اسے اور بھی جھنجلاہٹ میں مبتلا کردیا تھا۔

''آؤ آؤ سدرہ، نائلہ کیسی ہو تم لوگ.....؟'' ابتہاج نے ان کو دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔

''یہاں تو خالہ ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہیں اور پورے پنڈ میں بوا نے خوامخواہ شور مچا رکھا ہے۔'' اس نے سامنے موڑھے پر بیٹھتے ہی ناک چڑھائی۔

''ہاں بوا کو تو بہت شوق ہے ناں خوامخواہ شور مچانے کا، خود اپنی ماں کا پتا نہیں ایک چھینک بھی آجائے تو سات گاؤں میں دوہائی مچا دیتی ہے۔'' بوا ایک دم ہی گندم چھوڑ کر سامنے آن کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے سرخ لان کے نئے سوٹ میں ملبوس سدرہ کو دیکھا تھا۔

''لو بوا تم تو ویسے ہی غصہ ہو جاتی ہو، میں تو ویسے ہی مخول کررہی تھی۔'' ابتہاج کی موجودگی اس کو خود بخود دھیما ہوجانے پر مجبور کردیتی تھی اور اس وقت تو وہ خصوصی تیاری سے آئی تھی۔

''سکینہ بچیوں کو کچھ لسی پانی کا پوچھنا تھا۔'' اماں نے بوا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہہ کی تھی۔

''اونہہ، کاجل کا ٹرک لگتا ہے کل ہمارے ہی پنڈ میں گرا تھا.....'' وہ جاتے جاتے سدرہ پر طنز کرنا نہیں بھولی تھیں جس نے اس وقت آنکھوں کو کالا سیاہ کررکھا تھا۔ ابتہاج اس وقت نائلہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھا جب سدرہ نے شکایتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وریشہ اب اماں کا بلڈ پریشر چیک کرکے ان کو اس وقت کی میڈیسن دے رہی تھی جبکہ وہ سدرہ اور

نائلہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے دوران اس کی تمام سرگرمیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بڑی خوشگوار سی حیرت ہو رہی تھی کہ اماں اور وریشہ کی کافی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ان سے باتیں کرتے ہوئے ان کو مختلف دوائیاں کھلا رہی تھی جس کو اماں تھوڑے نخرے کے بعد بالآخر کھا رہی تھیں۔ یہ منظر سدرہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

''بھئی آپ لوگ کب تک اس بے چاری سے اماں کی خدمتیں کروائیں گے، یہ بے چاری بھی سوچتی ہوگی کہ کہاں پھنس گئی۔ ہمیں بتائیں اگر سائرہ یا تابندہ نہیں ہیں تو میں اور نائلہ تو ہیں نا.....'' اس کے لہجے میں تپش جبکہ چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ تھی۔ اس کی بات پر ابتہاج نے چونک کر وریشہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں تحیر نمایاں تھا۔

''یہ بچی ایسی فضول باتیں نہیں سوچتی۔ ماشاءاللہ اچھے گھرانے کی ہے اور نیک ماں باپ کی اولاد ہے۔'' بوا کا لہجہ سلگتا ہوا لیکن انداز خاصا پُرسکون تھا۔

''میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ دس دن سے بے چاری اماں کو سنبھال رہی ہے۔'' سدرہ نے سنبھل کر کہا۔

''رہنے دو بی بی، ان دس دنوں میں کسی اور کو تو توفیق نہیں ہوئی۔ اب خود کو دیکھ لو گھر کے دروازے کے ساتھ دروازہ جڑا ہوا ہے لیکن تمہاری اماں کو دو قدم چل کر آنے کی ہمت نہیں ہوئی اور تم خود ان دس دنوں میں تیسری دفعہ نظر آئی ہو۔ باتیں کر رہی ہو خدمتیں کرنے کی.....'' بوا نے ایک منٹ میں اس کی طبیعت صاف کی تھی۔ ابتہاج کے سامنے اتنی سچی باتیں اس کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ اس لیے اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور اس کی کاجل سے بھری آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دیکھ کر سوائے بوا کے سب لوگ گھبرا گئے۔

''کیا ہوگیا ہے بوا آپ کو، یہ کوئی وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا۔'' ابتہاج تھوڑا سا جذباتی ہو کر بولا تھا۔

''ہاں تو یہ کوئی ایسا بھی وقت نہیں ہے کہ خوامخواہ بیٹھ کر گونگلوؤں سے مٹی جھاڑی جائے۔'' وہ بھی کسی رعب میں آنے والی نہیں تھیں۔ اس لیے اپنی بات کر کے آرام سے صحن کی طرف چل دیں۔ وریشہ نے گھبرا کر سدرہ کو دیکھا جس کے آنسوؤں کے ساتھ بے دریغ بہتا کاجل اس کے چہرے کی رنگت کو مزید سانولا کر رہا تھا۔ اس نے اماں کے پاس پڑے ہوئے پانی کے جگ سے ایک گلاس پانی ڈال کر سدرہ کی طرف بڑھایا۔ اسے حقیقتاً اس کے آنسوؤں سے تکلیف ہوئی تھی، وہ حد درجہ حساس لڑکی تھی۔ اس گلاس کو دیکھ کر سدرہ کو کرنٹ لگا۔

''میں خالہ کے گلاس میں پانی نہیں پیوں گی.....'' اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ وریشہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جو گھبرا کر کہہ رہی تھی۔ ''نہ جی نہ، ایسے مریض کے جراثیم بہت تیزی سے اڑ کر لگتے ہیں اس لیے تو اماں ڈر کے مارے نہیں آ رہی ہیں۔''

سدرہ کی بات پر ایک دم ہی سناٹا سا چھا گیا تھا۔ ابتہاج کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ اماں خوفزدہ نظروں سے وریشہ کو دیکھ رہی تھیں جو بے پروائی سے ان کے ہی چمچ سے ان کی چھوڑی ہوئی کھچڑی کھا رہی تھی۔ اس کی بات پر وہ دانستہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

''ایسا بالکل بھی نہیں ہے سدرہ، تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے۔'' وہ ابھی اسی گلاس سے پانی پی رہی تھی۔ سدرہ اور نائلہ نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ ابتہاج کے لیے مزید برداشت کرنا انتہائی مشکل تھا۔ اسے سدرہ کی بات سے سخت تکلیف

ہوئی تھی۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا رہا تھا اس لیے فوراً اٹھ کر اندر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ دونوں بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوگیا ہے اماں آپ کو.....'' وہ بہت نرمی سے بالکل خاموش اور ساکن سی اماں کا بازو پکڑ کر بولی تھی۔

''کچھ نہیں بیٹا.....'' انہوں نے ایک سرد سی آہ بھری تھی۔

''میری بات غور سے سنیں، ہم مسلمان ہیں ناں.....'' وہ بہت آہستگی سے ان سے مخاطب تھی۔ ''ہمارا تقدیر پر ایمان ہے ناں، یاد رکھیے گا، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے آنے جانے اور دنیا میں رہنے اور دولت، بیماری ہر چیز کے بارے میں پہلے سے لکھ دیا ہے۔ ان سب چیزوں کو بس دعا بدل سکتی ہے اور کوئی چیز نہیں۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی ہے بیماری بھی اور صحت بھی۔ کسی کو کسی سے کچھ نہیں ہوتا اگر ایسا ہو تو سب سے زیادہ تو ڈاکٹرز بیمار ہوں، جو سارا دن طرح طرح کے مریضوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ اس کے لیے دل چھوٹا نہیں کرتے.....'' وہ بہت پیار سے ان کو سمجھا رہی تھی۔

''بھرجائی دفع کرو، دیکھو کتنے مزے کا دلیا بنایا ہے میں نے.....'' بوا ابھی ابھی اندر سے اپنی آنکھیں صاف کر کے باہر آئی تھیں، انہوں نے بھی سدرہ کی بات سن لی تھی لیکن دانستہ اس بات پر تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''قسم سے مجھے تو سدرہ کی شکل دیکھ کر بہت ہاسا (ہنسی) آیا، ایسے لگ رہا تھا جیسے تارکول کا پورا ڈرم اس کے بوتھے پر آن گرا ہو.....'' بوا زبردستی ہنس رہی تھیں۔ ان کی تشبیہہ پر وریشہ اور اماں کو بھی ہنسی آگئی۔

''بے چاری کا سارا ہار سنگھار ضائع ہی ہوگیا.....'' بوا کو اب واقعی میں ہنسی آ رہی تھی۔

''سکینہ ایسے کسی کا مذاق نہیں اڑاتے.....'' اماں نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

''بھرجائی، وہ کسی کی نہیں صغراں کی بیٹیاں ہیں جن کی بے عزتی مجھ پر فرض کر دی گئی ہے.....'' وہ ابھی بھی شرارت کے موڈ میں تھیں۔ اماں کو ان کے انداز پر دوبارہ ہنسی آگئی۔ وریشہ اٹھ کر اندر کی طرف آگئی۔

☆☆☆

ابتہاج کے کمرے میں وہ ہلکی سی دستک دے کر اندر چلی آئی تھی۔ وہ جو تکیہ منہ پر رکھے کمرے میں اندھیرا کیے لیٹا تھا، چونک گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائڈ دیوار پر لگے بٹن کے ذریعے کمرے کی ٹیوب لائٹس کو روشن کیا۔

''کیا ہوا آپ کو، ایسے کیوں اٹھ کر آگئے.....؟'' وہ بے دھڑک اٹھ کر آتو گئی تھی لیکن اب اسے اپنی یہ حرکت بہت بچگانہ سی لگ رہی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا، آپ کو کس نے کہہ دیا.....؟'' وہ زبردستی ہنسا تھا۔

''آپ کا ہر انداز کہہ رہا ہے.....'' اس نے فوراً کہا تھا۔

''مثلاً، کیا کہہ رہا ہے؟'' اس نے الٹا ہی سوال کر دیا۔

''یہی کہ آپ کو کوئی بات بری لگی ہے.....'' وہ اس قدر غور سے دیکھ رہا تھا کہ وریشہ کو اپنے سارے الفاظ اڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

''اچھا، کیا بات ہو سکتی ہے.....؟'' وہ اس کے کنفیوز ہونے پر مبہم سے انداز میں مسکرایا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو سدرہ کی بات بری لگی ہے.....'' وہ بہ مشکل بولی تھی۔

''ہوں.....!'' وہ کسی خیال میں الجھ کر بولا۔

''بری کا تو پتا نہیں لیکن مجھے دکھ ضرور ہوا ہے۔''

''ہاں، بعض دفعہ کہنے والے کو بھی پتا نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، آپ ذہن سے نکال دیں اس بات کو۔ خوامخواہ خود کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ؟'' وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، اصل میں جب اپنے ہی رشتے دار آپ کے زخموں سے کھیلنے لگیں تو زیادہ دکھ ہوتا ہے اور سدرہ کی والدہ تو میری اماں کی سگی خالہ زاد ہیں۔ اماں نے بہت سے مواقع پر ہم سے چھپ کر ان کی مدد کی، وہ نیکی کی تشہیر کرنے کی قائل نہیں، اس لیے مجھے خاصا افسوس ہوا۔'' وہ خاصے رنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''بس اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے ناں، اور پھر وہ ایک قول بھی تو ہے ناں کہ جب کسی پر احسان کرو تو پھر اس کے شر سے بچو.....'' وریشہ کا انداز بھی حد درجہ سنجیدہ تھا۔

''ہاں، میں آئے دن اوٹ پٹانگ باتیں سنتا رہتا ہوں لیکن نظر انداز کر جاتا ہوں جبکہ بوا بے چاری بھڑک اٹھتی ہیں۔ اصل میں انہوں نے زندگی میں بہت مشکل حالات دیکھے ہیں، ان کے میاں کی والدہ سوتیلی تھیں جنہوں نے ان کے سسر کے انتقال پر دونوں کو خالی ہاتھ گھر سے نکال دیا تھا۔ ابا ان کو زبردستی یہاں لے کر آئے۔ ابا کے ایک بھائی اور ایک بہن تھیں اور معاشی حالات بہت مضبوط تھے ماشاء اللہ۔ ان کے اکلوتی بہن کوئی بوجھ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود پھوپا آج بھی زمینیں سنبھالنے کی تنخواہ کے علاوہ ایک پیسہ نہیں لیتے۔ بہت ایماندار اور محنتی ہیں لیکن سارے خاندان والے ان کو باتیں سنانے اور گھر دامادی کے طعنے دینے سے باز نہیں آتے۔ بوا نے تنگ آ کر ان کی باتوں کا جواب دینا شروع کیا ہے ورنہ وہ بہت صابر خاتون ہیں۔ اللہ ان کو اجر دے، انہوں نے اماں کی بہت خدمت کی ہے.....'' وہ پہلی دفعہ اپنے خاندان کے بارے میں اتنی باتیں شیئر کر رہا تھا۔ اسے اچانک خیال آیا تھا کہ وہ ابھی تک کھڑی ہے۔

''آئی ایم سوری، میں نے ابھی تک آپ کو بیٹھنے کا نہیں کہا.....'' وہ ایک دم ہی شرمندہ ہو کر خود بھی کھڑا ہو گیا۔ ''بلکہ ایسا کرتے ہیں میں آپ کو اپنا لان اور اصطبل دکھاتا ہوں، باہر ہی چلتے ہیں.....'' اس کا محتاط انداز وریشہ کو اچھا لگا تھا۔

''اچھا، گھوڑوں سے بھی شغف رکھتے ہیں آپ.....؟'' اس کے شرارت بھرے انداز پر وہ ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ اس کو ہنستے ہوئے اماں نے بڑی خوشگوار حیرت سے دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں بے شمار جگنو ایک دم ہی اتر آئے تھے۔ انہوں نے دونوں کو اکٹھے جاتے ہوئے دیکھا اور ساتھ بیٹھی بوا کو مسکراتے ہوئے دیکھا، وہ بھی ان کا اشارہ سمجھ کر مسکرا دیں۔

''آپ کو پتا ہے کہ بابا کا نمبر کیوں بند جا رہا ہے، اس دن کال بھی آئی تو نمبر ڈسپلے نہیں ہو رہا تھا.....'' وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے یک دم بولی تھی۔

''اچھا، میرے ساتھ تو ان کی رات ہی بات ہوئی ہے، وہ انڈیا میں تھے اور بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔'' وہ چلتے چلتے رکا تھا۔

''واقعی.....؟'' وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

''جی وہ کہہ رہے تھے کہ شاید ان کو مزید ایک ہفتہ اور لگ جائے، اس لیے جیسے ہی تابی واپس آجائے تو میں آپ سے پوچھ کر ہاسٹل چھوڑ آؤں.....'' وہ اصطبل کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

ہاسٹل جانے کا ابھی کوئی فائدہ نہیں، ہڑتال چل رہی ہے اور دور دراز کے لوگ بے فکر ہو کر اپنے گھروں کو جا چکے ہیں.....'' اس نے بے پروائی سے کہا تو ابتہاج کے منہ سے بے اختیار پُرسکون سی سانس

خارج ہوئی۔ وہ اپنے اصطبل میں موجود تینوں گھوڑوں کا تعارف کروا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور لہجے میں ان کے لیے بے تحاشا محبت تھی۔

''یہ عربی نسل کی گھوڑی بابا کو ان کے ایک شیخ دوست نے گفٹ کی تھی اور اس کے ساتھ میں نے پاکستان ڈربی کے کئی مقابلے جیتے ہیں۔ گھڑ سواری کے شوقین افراد کے لیے پاکستان ڈربی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس میں ملک بھر کے چوٹی کے گھوڑے اور گھوڑیاں حصہ لیتے ہیں۔ میں پاکستان ریس کلب کا ممبر بھی ہوں۔'' وہ اپنی سیاہ رنگ کی خوب صورت نسل کی گھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''گھوڑوں سے محبت مجھے بابا کی طرف سے جینز میں ملی ہے، مجھے انہوں نے چھ سال کی عمر میں ہی گھڑ سواری سیکھنے کے کلب میں بھیج دیا تھا۔ ان کو گھڑ سواری کا جنون تھا اور وہ پولو کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔''

''ہوں، نائس.....'' وریشہ نے ڈرتے ڈرتے ایک گھوڑے پر ہاتھ رکھا تو وہ یک دم ہنہنایا، وہ ڈر کر فوراً پیچھے ہٹی تو ابتہاج اپنے بے ساختہ قہقہہ کو نہیں روک پایا۔

''اصل میں آپ کا لمس ابھی اس کے لیے اجنبی ہے، اس لیے اس نے ناگواری کا اظہار کیا ہے۔ آپ بار بار آئیں گی ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں گی اور ان کو پیار سے سہلائیں گی تو یقین کیجیے یہ بہت پیارا اور وفادار جانور ہے، یہ آپ کو بہت اچھا رسپانس دے گا۔''

''نہ بھئی نہ، جانوروں کا کیا اعتبار.....'' وہ ڈر کے دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ڈر اور تذبذب تھا۔

''آج کل کے دور میں انسانوں کا اعتبار نہیں ہے، جانور تو بہت معصوم ہوتے ہیں.....'' وہ اچھل کر اس پر سوار ہوا تھا۔ گھوڑی نے فوراً خوشی کا اظہار کیا تھا۔ وریشہ دو قدم اور پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی تھی، اس کی یہ غیر ارادی حرکت ابتہاج کی تیز نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ مسکرا کر نیچے اتر آیا تھا پھر وہ اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا تھا اور اس کو بتا رہا تھا۔

''ابا ویسے تو تحصیل دار تھے لیکن ان کے اندر وہی زمینداروں والا ٹیپکل خون تھا۔ وہ اپنی زمینوں پر آ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے چند سال ہی نوکری کی اور جب چچا باہر چلے گئے تو وہ فوراً استعفیٰ دے کر گاؤں واپس آ گئے پھر ان کی ساری زندگی یہیں گزری۔''

''اس کا مطلب ہے کہ زمین سے محبت بھی آپ کو جینز میں ہی ملی ہوگی.....'' وریشہ نے اسے چھیڑا۔ وہ لوگ پچھلے گیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔ سامنے گندم کی فصل لہلہا رہی تھی۔

''نہیں، یہ شوق مجھے وارثت میں نہیں ملا.....'' وہ ہنسا۔ ''مجھے کوئی ایسا لگاؤ نہیں، اس لیے میں اس طرف آیا ہی نہیں، زمینوں کے معاملے پھوپا اور منشی صاحب ہی سنبھالتے ہیں۔ میں اصل میں چاہتا تھا کہ کچھ زمین جو فالتو پڑی ہے اس پر اسپتال بنا کر سائرہ کے حوالے کر دوں لیکن اس کے میاں کو پاکستان میں رہنا ہی پسند نہیں۔''

''آپ اسپتال کیوں بنانا چاہتے ہیں.....؟'' اس نے بڑے تحیر کے عالم میں پوچھا۔ اس کے لیے یہ بات بہت حیرت انگیز تھی۔

''سچ بتاؤں پہلے تو کبھی کبھی یہ خواہش بیدار ہوتی تھی جب اپنے گاؤں کے لوگوں کو آج کے اس دور میں بھی بنیادی ضروریات کے لیے ترستے دیکھتا تھا۔ اب ہر کوئی تو شہر جانا افورڈ نہیں کر سکتا ناں۔ اس کے بعد جب اماں کی بیماری کا اس وقت پتا چلا جب بہت سا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا تھا، اس کے بعد سے تو یہ خواہش جنون بن چکی ہے۔ میں نے سارا

اسٹیمیٹ لگوایا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کو ہم بھاری بھرکم پیکیج دے کر ہی اس گاؤں میں آنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ کوئی اپنی خوشی سے اس پسماندہ گاؤں میں کیوں آئے گا۔ اس میں ان کا بھی قصور نہیں، معاشی ضروریات سارے انسانیت کے سبق بھلا دیتی ہیں۔'' وہ آخر میں تھوڑا تلخ ہوا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، سب لوگ ایسا نہیں سوچتے.....'' وریشہ نے برا منایا۔

''وریشہ بی بی، کتنے فیصد لوگ ایسا سوچتے ہوں گے۔ آپ خود بتائیں کہ آپ یہاں آکر کام کرنے کو تیار ہوں گی.....؟'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر بالکل اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ وریشہ کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا جس کی گہری نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وریشہ کو ایسا لگا جیسے اس نے کوئی ایکسرے مشین اپنی آنکھوں میں فٹ کروا رکھی ہو اور وہ اس کا دماغ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''دیکھا..... چپ ہو گئیں نا.....؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا اور ریشہ کو ایک دم غصہ آگیا تھا۔

''میں نے کب انکار کیا؟'' اب کہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہی تھی۔

''جانے دیں وریشہ انصاری، ایسے جذباتی نہیں ہوتے۔ زندگی جذباتیت کے سہارے نہیں گزرتی۔'' وہ اب بھی اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''زندگی میں سے جذبات نکال دیے جائیں تو اس مشینی زندگی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ آپ خود بتائیں کہ کیا اسپتال بنانے کا ارادہ آپ نے بھی جذبات کے زیر اثر نہیں کیا؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''یہ میرا بالکل بھی جذباتی فیصلہ نہیں، میں نے پورے دو سال اس پر سوچا اور پھر اس کو فائنل کیا ہے، میں نے اس جگہ آنکھ کھولی ہے ان لوگوں کے درمیان پلا بڑھا، ان کی مشکلات کا مجھے اندازہ ہے۔ یہی جذباتی انسیت مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ آپ کو کیا انس ہو سکتا ہے؟ آپ کیوں اپنے آپ کو اس جگہ پر ضائع کریں گی.....'' وہ بے حد سنجیدہ تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں یہاں کیوں خود کو ضائع کروں گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ میں اسٹڈی مکمل کر کے لاہور واپس جاؤں اور وہاں کسی اسٹیبلش اسپتال سے منسلک ہو جاؤں۔ جہاں میرے نہ ہونے سے کسی کو بھی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہاں پہلے سے بہترین لوگ ہوں گے۔ ہاں ایسی کسی پسماندہ جگہ جہاں میرے نہ ہونے سے بہت سے لوگوں کو فرق پڑے..... میں خود کو وہاں کے لیے وقف کیوں نہ کروں؟'' اس کا لہجہ شکایتی تھا۔

''سوچ لیں بہت بڑی بات کہہ رہی ہیں آپ.....'' ابتہاج مطمئن انداز میں ہنسا اور گہری سانس لے کر اسے نظروں میں سمویا۔

''اپنی غلط فہمی دور کر لیں، میں آپ کے اسپتال کی بات نہیں کر رہی بلکہ کسی بھی پسماندہ علاقے میں بننے والے اسپتال کی بات کر رہی ہوں۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں لپکنے والی چمک نے وریشہ کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ گھبرا کر سامنے بنی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے بولی۔ وہ ایک دم تیز تیز چلتا ہوا اس کے سامنے آکر راستہ روک کر بولا۔

''اگر میرے اسپتال، میرے گھر، میرے دل سے بہتر جگہ آپ کو کوئی لگے تو آپ جا سکتی ہیں.....'' اس نے بہت جذب سے کہا تھا۔ وریشہ کو اپنے پورے وجود میں کرنٹ سا دوڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ گھبرا کر پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اندر کی جانب بڑھنے لگی۔ اپنے عقب میں اس نے ابتہاج کا قہقہہ سنا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی میں اضافہ ہوا۔ اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے حصار میں

جکڑی گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ہکا بکا تابی کو دیکھ رہی تھی جو پندرہ دن کے بجائے بارہ دن بعد ہی واپس آگئی تھی اور اب بڑے مزے سے اماں کے تخت پر ان کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ چھلانگ مار کر خوشی سے اتری اور اب بڑے والہانہ انداز میں اس کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔

''تم کہاں سے آگئیں؟ کیا سعودیہ سے ڈائریکٹ لینڈنگ یہیں گاؤں میں کی تھی.....'' اس نے بے ساختگی سے کہا۔

''ہمیں پتا چلا تھا کہ آپ اور اماں ہمیں بہت دل سے یاد کر رہی ہیں، بس ہم نے بھی فوراً واپس آنے کی ٹھان لی۔'' تابندہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''ہم نے تو ایسی غلطی نہیں کی، کیوں اماں.....؟'' اس کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔ اماں بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کر ہنسنے لگیں۔

''دیکھ لیں بھائی، آپ ڈاکٹر صاحبہ کو اور اماں کو، دونوں آپس میں کتنا ''ایکا'' کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔ میں بے چاری دس دنوں کے لیے کیا گئی دونوں نے آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لیں ہیں۔'' وہ لاڈ بھرے انداز سے برآمدے کے ایک کونے میں رکھے بڑے سارے لکڑی کے جھولے میں اخبار منہ پر رکھے ابتہاج سے مخاطب ہوئی۔ وہ بھی وریشہ کی آواز پر فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ پچھلے تین دن سے اس کے سامنے آنے سے ہر ممکن کترا رہی تھی۔ اس وقت شاید اسے اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے بوکھلا کر وہ فوراً ہی اماں کے پاس بیٹھ گئی۔

''بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں، یہ آپ خواتین کا معاملہ ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنا دامن چھڑایا۔ وہ اب متبسم انداز میں بغور اسے دیکھ رہا تھا جو اماں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اس لیے تو ہم کہتے ہیں کہ آپ اپنی خاتون بھی گھر لے آئیں تاکہ خواتین کے معاملے میں بول سکیں۔'' اس نے بھائی کو چھیڑا۔

''نہ بابا، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں.....'' اس نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''سوچ لیں، ورنہ ہم بہت کچھ سوچ چکے ہیں.....'' تابندہ کے لہجے کی معنی خیزی نے وریشہ اور ابتہاج دونوں کو ہی چونکا دیا تھا۔

''کیوں اماں؟'' اس نے اپنی چھیڑ چھاڑ میں اماں کو بھی گھسیٹا، جن کو صبح سے ہلکا ہلکا بخار تھا لیکن وہ اس کے باوجود مسکرا رہی تھیں۔

''میری تو بیٹا اب آخری یہی خواہش ہے کہ جو چند دن رہ گئے ہیں بیٹے کی خوشی بھی دیکھ لوں۔'' دلگرفتہ تو وہ پہلے سے ہی ہو رہی تھیں اب آنسو بھی چلے آئے تھے۔ وہ تینوں بوکھلا گئے۔

''کیا ہو گیا ہے اماں آپ کو، کیوں ایسی باتیں کرتی ہیں.....'' تابندہ جذباتی ہو کر سب سے پہلے بولی تھی۔ ابتہاج بھی اٹھ کر ان کے پاس آگیا تھا۔ وریشہ نے اٹھ کر فوراً اسے جگہ دی۔ وہ اب سامنے بچھی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔ پورے ماحول میں ایک محسوس کی جانے والی سوگواریت پھیل گئی تھی۔ ابتہاج اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

''ان کی وجہ سے ہم لوگ پندرہ دن کی جگہ بارہ دن میں واپس چلے آئے اور اگلے ہفتے سائرہ بھی آجائے گی پھر بھی اماں ایسی دل دکھانے والی باتیں کرتی ہیں۔'' تابی نے بہ مشکل آنسوؤں پر قابو پا کر بھیگے لہجے میں کہا۔

''اماں کو اسی چیز کی تو ٹینشن ہے کہ اتنی مشکلوں سے تم دونوں کو گھر سے نکالا تھا، تم لوگ ہر تیسرے دن

آجاتی ہو، کیوں اماں.....؟'' ابتہاج نے ماحول کی سوگواریت دور کرنے کی ہلکی پھلکی کوشش کی۔

''آپ لینے دیں سائرہ کو بتاؤں گی اسے، وہ ہی آپ کو ٹھیک رکھتی ہے.....'' تابندہ روتے روتے ہنسی تھی۔

''آجائے وہ کون سا میرے اوپر ڈی سی لگی ہوئی ہے.....'' وہ بھرپور انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

''چلیں، آپ تو کافی لوگوں کے اوپر ڈی سی لگے ہوئے ہیں ناں، ان کو جا کر ڈرائیں، ہم ڈرنے والوں میں سے نہیں.....'' وہ حسبِ عادت زور سے ہنس دی۔

''تم لوگ مجھ سے چھوٹی ہو کر نہیں ڈرتی ہو کوئی اور کیا ڈرے گا.....'' اس نے اماں کے کندھے دباتے ہوئے مصنوعی مایوسی اپنے اوپر طاری کی۔ وریشہ نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا۔ جو اب ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ بوا بھی ان کے پاس آبیٹھیں اور رات گئے تک گفت وشنید کا سلسلہ جاری رہا۔ اماں بھی باقاعدہ ساری بات چیت میں بھرپور حصہ لیتی رہیں۔ وہ بخار کے باوجود کافی فریش تھیں۔ صبح چار بجے کے قریب ان کی حالت کچھ خراب ہوئی اور ان کو دوبارہ اسپتال لے جایا گیا، وہاں کچھ گھنٹوں کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ سب ہکا بکا تھے۔ سب سے بری حالت سائرہ کی تھی۔ اس کی سیٹس اگلے ہفتے کی تھیں اور اماں اس کا انتظار کیے بغیر چلی گئی تھیں۔ وہ سخت صدمے کے عالم میں جب پہنچی تو اماں اپنی آخری آرام گاہ جا چکی تھیں۔ ایک ہفتے کے بعد سائرہ آئی تو گھر کا ماحول ایک دفعہ پھر سوگوار ہوگیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اماں کا انتقال ابھی ابھی ہوا ہو۔ سارا گاؤں ایک دفعہ پھر امڈ آیا تھا۔ تعزیت کا سلسلہ تو پچھلے ایک ہفتے سے ہی جاری تھا لیکن سائرہ کی آمد کے بعد لوگ ایک دفعہ پھر اس سے افسوس کرنے آرہے تھے۔ بوا تو بالکل گم صم تھیں وہ اماں کی وفات کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں اس لیے بیٹھے بیٹھے اماں کو آوازیں دینے لگتیں تو کبھی ان کے لیے پرہیزی کھانا تیار کر کے گھنٹوں میز پر رکھ کر اسے تکتی رہتیں اور پھر بلند آواز میں رونا شروع کر دیتیں۔ وریشہ نے کچھ دن ان کو ڈپریشن کم کرنے کی ادویات دیں لیکن کوئی افاقہ نہ دیکھ کر اس دن وہ بوا کے سامنے آ بیٹھی۔

''آپ اس حقیقت کو مان کیوں نہیں لیتیں کہ اماں اب اس دنیا میں نہیں رہیں، یقین کریں اس کو مان لینے سے آپ کی زندگی آسان ہوجائے گی۔'' وریشہ نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بہت محبت اور نرمی سے کہا تھا۔

''میرا دل نہیں مانتا.....'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

''آپ کے دل کے نہ ماننے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی ناں، جب میری ماما کا انتقال ہوا تھا تو مجھے بھی لگتا تھا کہ بس یہ ایک ڈراؤنا سا خواب ہے، آنکھ کھلے گی تو سب کچھ ویسا ہوگا لیکن بوا سب کچھ ویسا نہیں ہوسکتا، حقیقت پہاڑ کی طرح ہوتی ہے ہم جب بھی ڈر سے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولتے ہیں وہ پہاڑ پوری طاقت کے ساتھ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں حقیقت کی طاقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ یقین مانیں بہت دکھ ہوتا ہے، دل پھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ وقت اس کی تلخی کو خود بخود کم کر دیتا ہے۔'' وہ بہت اپنائیت سے ان کو سمجھا رہی تھی۔

''پتر تم سوچ نہیں سکتی ہو کہ میری بھرجائی میرے لیے کیا تھی، ایک ماں کی طرح اس نے مجھے پناہ دی، ایک بہن کی طرح مجھے محبت سے نوازا، ایک سہیلی کی طرح میرے دکھ سکھ سنے۔ میں جب اس

گھر میں میاں کے ساتھ آئی تھی تو دنیا نے بہت ڈرایا تھا کہ بھرجائیاں مستقل طور پر نندوں کو برداشت نہیں کرتیں لیکن میری بھرجائی تو ایسی نیک صفت عورت تھی کہ ساری زندگی میں نے اس عظیم عورت کے متھے پر کوئی بل نہیں دیکھا۔ مجھے تو لگتا ہے میری ماں ایک دفعہ پھر مر گئی۔'' بوا کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ سائرہ بھی ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر وہاں آ گئی تھی اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''میں مانتی ہوں بوا اس بات کو۔ آپ کا دکھ بہت بڑا ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں ناں کہ اللہ اپنے بندوں پر کبھی بھی ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ صبر کرنا آسان نہیں لیکن انسان اس معاملے میں بے بس ہے۔ آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اماں نے اپنی تکلیف کو کس قدر بہادری اور حوصلے سے برداشت کیا، میں نے کبھی بھی ان کے منہ سے اف نہیں سنی، ورنہ جتنی تکلیف میں وہ تھیں ایسے مریض بے چارے تو تکلیف کی شدت سے بے حال ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کے گھر والے بھی اسی تکلیف کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔'' اس کی بات پر بوا نے بے اختیار اپنے آنسو صاف کیے تھے جبکہ وہ اپنے مخصوص محبت بھرے انداز میں گویا تھی۔ ''جتنی تکلیف میں وہ تھیں اللہ نے ان کو بہت آسانی دی ہے۔ آپ بس ان کے لیے دعا کریں کہ ان کی اگلی منزلیں بھی اللہ آسان کرے۔''

''انشاء اللہ.....'' بوا اور سائرہ دونوں کے منہ سے ایک ساتھ ہی نکلا تھا۔

''وریشہ تم بہت اچھی لڑکی ہو اللہ تمہاری قسمت بہت اچھی کرے تم نے ہمارا بہت مشکل وقت میں ساتھ دیا۔'' سائرہ نے پُرخلوص انداز سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''پتا نہیں سائرہ، میرے یہاں آنے میں خدا کی کیا مصلحت تھی، میں نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اس علاقے میں آؤں گی لیکن میں نے یہاں جتنا بھی وقت گزارہ، میں سب لوگوں کی محبت اور اپنائیت کو کبھی بھی نہیں بھلا پاؤں گی۔ آپ کی والدہ بہت اچھی اور نیک خاتون تھیں، انہوں نے مجھے بالکل ایک سگی ماں کی طرح ٹریٹ کیا بعض دفعہ تو مجھے بے اختیار ماما یاد آجاتی تھیں.....'' وریشہ کی آنکھوں سے اداسی جھلک رہی تھی لیکن وہ زبردستی مسکرا رہی تھی۔

''تمہیں اس لیے اماں اچھی لگیں کیونکہ تم اصل میں خود بہت اچھی اور خالص لڑکی ہو، تم میں بناوٹ قطعاً نہیں.....'' سائرہ نے کھلے دل سے اسے سراہا تھا۔

''تھینک یو سائرہ.....'' وریشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے ابتہاج بتا رہا تھا کہ تمہارے بابا تمہیں لینے آرہے ہیں.....'' سائرہ کی بات پر وہ چونکی، خوشی کا بڑا گہرا احساس بڑے فطری انداز سے اس کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔

''اچھا واقعی.....کب.....؟'' اس نے بے اختیار پوچھا۔

''ابھی تو تم ہماری محبتوں کا اعتراف کر رہی تھیں اور اب ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے کسی قیدی کو جیل سے چھٹکارا مل رہا ہو.....'' سائرہ نے شرارت سے اسے چھیڑا تو وہ فوراً جھینپ گئی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، اصل میں بابا سے ملاقات ہوئے کافی عرصہ ہوگیا ناں اس لیے اور پھر میرے فائنل ایئر کے ایگزام بھی قریب ہیں.....''

''چلو شکر ہے ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ شاید تم ہمارا دل رکھنے کے لیے کہہ رہی تھیں.....'' سائرہ نے اس کے بلش ہوتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھا۔

''وریشہ بہت مروت والی لیکن بہت سادہ سی لڑکی ہے اس کو گھمن گھیریاں دینی نہیں آتیں.....'' تابی چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

''تمہیں بہت پتا ہے نا.....'' سائرہ نے چائے کی شوقین تابندہ کا بڑا مگ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا، جبکہ وہ اس کی شرارت پر گھور کر رہ گئی۔

''جوہر شناس نظریں ہیں ہماری.....'' تابندہ نے اپنا فرضی کالر اٹھاتے ہوئے ٹھاٹ سے کہا تھا۔

''کس کی جوہر شناس نظریں ہیں، کیا میری.....؟'' ابتہاج کوئی فائل اٹھائے اچانک اندر آیا تھا۔ اس نے تابندہ کی بات سنی تھی۔ اس لیے سوالیہ نظروں سے سامنے بیٹھی چاروں خواتین کو غور سے دیکھا۔ آج کافی دن بعد بوا کے چہرے پر کچھ اسے بشاشت نظر آئی تھی۔ اس نے آتے ہی وریشہ کی چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگالیا۔

''بھائی یہ وریشہ کی چائے تھی.....'' تابی نے احتجاجی نظروں سے اسے دیکھا جو بہت مزے سے کھڑا چائے پی رہا تھا۔

''زیادہ چائے پینے سے رنگ کالا ہو جاتا ہے، تمہارا تو پہلے ہی پورا سورا ہے اب وریشہ کو تو احتیاط کرنی چاہیے.....'' وہ بھی آج کافی دن بعد مسکرایا تھا۔

''آپ کو وریشہ کے رنگ کی کیوں اتنی ٹینشن ہو رہی ہے.....؟'' سائرہ نے غور سے بھائی کا چہرہ دیکھا اور معنی خیز انداز میں بولی۔

''ظاہر ہے مجھے ہی تو ٹینشن ہوگی، کل پروفیسر صاحب آرہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اپنی بیٹی کو پہچاننے سے انکار کر دیں، لے کر تو میں ہی آیا تھا ناں.....'' اس کا انداز سنجیدہ جبکہ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''بے فکر رہیں، دوبارہ بھی آپ ہی لے کر آئیں گے.....'' سائرہ کے ذومعنی انداز پر دونوں نے گڑبڑا کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر شوخی اور شرارت رقصاں تھی اور وہ بہت مزے سے چسکیاں لے لے کر چائے پی رہی تھی، وریشہ کو اندازہ ہوا کہ دونوں بہن بھائی میں حد درجہ بے تکلفی تھی۔ اسے یاد آیا تابندہ نے بتایا تھا کہ دونوں میں صرف ایک سال کا فرق ہونے کی وجہ سے کافی دوستی تھی۔ سائرہ بڑی بے تکلفی سے اس کا نام لے کر بلاتی تھی۔ اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ بولا تھا۔

''اب فٹافٹ ان کاغذوں پر سائن کر دو، اپنا اپنا حصہ لو، ایسا نہ ہو کہ کل میری نیت خراب ہو جائے.....'' وہ مختلف قانونی معاملات کے ڈاکومنٹس سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا خرافات ہیں، میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے.....'' تابی نے انتہائی خفگی سے کہا تھا۔

''یہ خرافات نہیں، اماں کے نام پر جو چیزیں تھیں ان کے ڈاکومنٹس ہیں، مجھے اسلام کے بنائے گئے قوانین پر چلنا ہے، جو تم لوگوں کا حصہ بنتا ہے وہ تو میں کسی صورت نہیں رکھوں گا۔ میں کیوں گناہ گار بنوں۔ اس لیے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں، فوراً سائن کرو.....'' اس نے انتہائی محبت بھرے انداز میں دھمکایا تھا۔

''آپ میرا سارا حصہ تو اپنے اسپتال میں ڈال لیں اور ایک وارڈ اماں کے نام پر ضرور بنائیں.....'' اس نے سائرہ کی سنجیدہ سی بات سنی تھی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی۔ وہ ان کا انتہائی ذاتی معاملہ تھا اس لیے اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔

''میں پورا اسپتال ہی اماں کے نام پر بنا رہا ہوں.....'' وریشہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے ابتہاج کا جواب سنا تھا۔ اسپتال کے نام پر اسے کچھ دن پہلے کی اس کی بات یاد آگئی۔ اس کے چہرے پر

بڑے خوب صورت رنگ پھیلے تھے۔

☆☆☆

''اوہ مائی گاڈ.....تم کامریڈ کے گاؤں میں اس کے گھر پر ہو، مجھے جب بابا نے بتایا، یقین مانو مجھ سے صبر نہیں ہوسکا......'' ارسلہ کی کافی دن کے بعد جاپان سے کال آئی تھی۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں چیخ کر بول رہی تھی۔ وہ جب بھی کچھ جوش میں آتی تھی اس کی آواز کا والیوم خود بخود تیز ہوجاتا تھا۔

''کہاں ہے وہ خبیث انسان......؟'' وہ ارسلہ کے انتہائی بے تکلفانہ انداز پر چونکی۔ ''اس خبیث کو میں نے اماں کے انتقال پر فون کیا، اس سے پہلے ان کی بیماری کے دنوں میں بھی اس سے رابطہ رہا لیکن اس گھنّے نے مجھے ایک دفعہ بھی نہیں بتایا کہ تم اس کے گھر میں ہو، یہ شروع سے ہی انتہائی گھٹیا حرکتیں کرتا آیا ہے۔'' ارسلہ کے انداز و بیاں سے لگ رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیاں خاصے بے تکلفانہ مراسم تھے۔

''تم اس کو چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ، تم کہاں مرگئی تھیں، آج بیس پچیس دن کے بعد تمہیں میرا خیال آیا ہے......'' وریشہ نے اس کی کلاس لی۔

''کہاں فون کرتی، جس سرنگ میں تم رہ رہی ہو آج کل، وہاں سگنل ہی کہاں ڈھنگ سے آتے ہیں، ویسے یہ کامریڈ کا بچہ ڈپٹی کمشنر لگا ہوا ہے اور اپنے گاؤں میں ایک بوسٹر نہیں لگوا سکتا، ذرا بات کراؤ مجھ سے اس کی طبیعت میں سیٹ کروں گی۔'' ارسلہ کا غصہ کسی طور پر کم نہیں ہورہا تھا۔

''یہ تم کامریڈ ابتہاج کو کہتی تھیں...... یہ ڈپٹی کمشنر ہے؟'' وریشہ کے دماغ میں کچھ باتیں کلک کرکے روشن ہوئی تھیں۔ اس کو جھٹکا ہی تو لگا تھا۔

''یہ کامریڈ وہی ہے نا جس کی سی ایس ایس میں سیکنڈ پوزیشن تھی......؟'' اس نے سخت حیرت سے پوچھا تھا۔ کامریڈ کے حوالے سے اس کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس نے کئی دفعہ بابا اور ارسلہ کے منہ سے یہ نام سنا تھا۔

''ہاں، وہی میرا خبیث کلاس فیلو، اتنا مشکل اس کا نام تھا، کون ایک منٹ لگا کر ابتہاج ہاشمی کہے۔ اس لیے جب بابا نے اس کا نام کامریڈ رکھا تو ہم سب نے بھی اسے یہی کہنا شروع کردیا۔'' وہ بہت مزے سے کہہ رہی تھی۔ ''میرا اور اس کا ہر معاملے میں مقابلہ چلتا تھا جب میں نے سی ایس ایس میں ٹاپ کیا تھا تو اس کی شکل دیکھنے والی تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہماری بڑی مزے والی دوستی تھی بلکہ ہے۔ ابھی بھی ہر پندرہ دن بعد بات ہوجاتی ہے اور زیادہ وقت ہمارا لڑنے میں ہی گزر جاتا ہے۔ کئی دفعہ تو ہمارے گھر بھی آیا ہے، تمہیں یاد ہے......؟''

''نہیں مجھے یاد نہیں اور ویسے بھی پچھلے چار سالوں سے تو میں ہاسٹل میں ہوں......'' اس نے سادگی سے کہا۔ اسے سخت حیرت ہورہی تھی کہ وہ اتنا سادہ دکھائی دینے والا بندہ ڈپٹی کمشنر تھا۔ اسے اور نہ ہی اس کے گھر میں سے کسی کو اس کی اس پوسٹ پر اس نے اتراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سارے ہی حد درجہ سادہ اور درویش صفت لوگ تھے۔

''حیرت ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں......'' وہ بات کرتے کرتے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر رک گئی تھی۔

''پتا ہے وریشہ، بابا کی بہت خواہش تھی کہ میری اس کے ساتھ شادی ہوجائے......'' ارسلہ نے ہنستے ہوئے انکشاف کیا، وریشہ کو اپنے اردگرد دھماکا سا محسوس ہوا تھا۔ اس نے بے ساختہ کھڑکی کے پٹ کو تھاما۔

''ہاں......'' وہ اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسی...... ''میرا ان دنوں عشق اشعر کے ساتھ

زوروں پر تھا اور کامریڈ کو اس کا پتا تھا۔ یہ تھا تو خبیث لیکن اس نے اس معاملے میں ہمارا خوب ساتھ دیا کیونکہ اشعر اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ بابا کو آج تک ہمارے عشق کی خبر نہیں ہوسکی، ابتی نے بڑے اچھے انداز سے اس کا پروپوزل بابا کے سامنے پیش کیا اور بے چارے بابا، ماما کو بتا رہے تھے کہ ان کی خواہش تو ابتہاج کے لیے تھی لیکن اس نے پہلے ہی اپنے دوست کا پروپوزل بھیج دیا اس لیے انہوں نے اس معاملے کو وہیں ختم کردیا اور پھر اشعر سے مل کر تو بابا بہت خوش ہوئے اور جھٹ پٹ ہماری شادی ہوگئی۔''

''تم کتنی گھٹیا ہو ارسلہ، تم مجھے آج یہ اپنی تھرڈ کلاس فلمی اسٹوری سنا رہی ہو، تمہیں شرم نہیں آتی......'' وریشہ کو اس کی ہنسی سخت زہر لگ رہی تھی۔

''اس وقت تو قسم لے لو بہت شرم آتی تھی اور کچھ تم اپنی میڈیکل کی اسٹڈی میں اتنی غرق تھیں کہ میں نے سوچا کہ کیا اپنی معصوم بہن کو تنگ کرنا، خود ہی مسئلہ حل کرلیتے ہیں اور کچھ تم سے تھوڑی سی جھجک جو تھی کہ تم کیا سوچو گی......'' اپنی بات کے آخر میں اس نے حسب عادت قہقہہ لگایا تھا۔

''یقین کرو دل کررہا ہے کہ میں آکر تمہارا سارا منہ نہ سہی لیکن اگلے چار دانت تو ضرور توڑ ہی دوں......'' اس کی ہنسی وریشہ کو تپا رہی تھی۔ اس نے کوفت اور جھنجلاہٹ سے سامنے کھلی کھڑکی سے اندر آتی سدرہ کو دیکھا۔ اسی وقت ابتہاج بھی برآمدہ کراس کرکے صحن میں پہنچا تھا۔ سدرہ نے اسے روک لیا تھا۔ وہ دھوپ سے بچنے کے لیے ہاتھ میں پکڑی فائل کا ماتھے پر چھجا سا بنائے کھڑا تھا۔ وریشہ کی ساری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔

''شکر ہے کہ بابا کا مسئلہ حل ہوا، مت پوچھو کتنی ٹینس تھی میں......؟'' ارسلہ اب کچھ سنجیدہ ہورہی تھی۔

''کون سا مسئلہ......؟'' اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔ آنکھیں اتنے فاصلے سے بھی سامنے کا منظر صاف دیکھ رہی تھیں۔ وہ سدرہ کو کچھ کہہ رہا تھا جبکہ اس کا شرمایا ہوا چہرہ اور اس پر پھیلے رنگ وریشہ کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کررہے تھے۔ مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ بھی نہ جانے کون سی داستان امیر حمزہ اسے سنا رہا تھا۔ وہ ایک ٹک ان دونوں کو دیکھے جارہی تھی۔

''بابا بہت اپ سیٹ تھے لیکن شکر ہے کہ اللہ نے عزت رکھ لی......'' ارسلہ کی بات سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔ آف وائٹ شلوار سوٹ میں ابتہاج کا دراز قد اور بھی نمایاں ہورہا تھا۔ وہ اب بالکل کھڑکی کے پاس آگئی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت سب ہی کمروں میں دبک کر بیٹھے تھے۔

''کس کی عزت کی بات کررہی ہو......؟'' وریشہ اب الجھی لیکن اسی وقت سگنل ڈراپ ہونا شروع ہوگئے تھے اور ابتہاج بھی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ سدرہ اپنا پراندہ فضا میں گھماتی بڑے سرشار انداز سے اندر آرہی تھی۔ وریشہ کو آج پہلی دفعہ اس سے تھوڑا سا حسد محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنے محسوسات خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اسے واقعی غصہ آرہا تھا۔ کال ڈراپ ہوچکی تھی۔

''یہ ارسلہ کس کی عزت کی بات کررہی تھی۔'' وہ اب فراغت سے سامنے پڑے بیڈ پر لیٹی تھی جب معاً اسے یاد آیا۔ کچھ دیر اس نے بے مقصد اپنا دماغ لڑایا لیکن دماغ پر سدرہ کا رنگوں میں نہایا ہوا چہرہ کسی بھی نکتے کی جانب اس کی توجہ مبذول ہونے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے تھک ہار کر پلنگ کی پشت سے ٹیک لگالی، وہ خاصی ملول بیٹھی ہوئی تھی۔ سدرہ شاید گول کمرے میں تابندہ اور سائرہ کے پاس تھی۔ اس کے آج کل یہاں کے خوب چکر لگ رہے تھے۔

''میری طرف سے جائے بھاڑ میں، مجھے کسی سے کیا لینا، دینا۔ آج ہی بابا کو فون کرتی ہوں کہ جلد آئیں، اتنا زیادہ میرا پڑھائی کا ہرج ہو رہا ہے ان کو احساس ہی نہیں.....'' اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ خود کو سمجھانا دنیا کا مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام وہ انتہائی دقت سے سرانجام دے رہی تھی۔ سوچوں میں گم نہ جانے وہ کس وقت نیند کی آغوش میں چلی گئی اسے پتا ہی نہیں چلا۔

☆☆☆

اس نے سخت بے یقینی سے سامنے کا منظر دیکھا..... وہ یک دم ہی آگے بڑھی، اس کے چہرے کی حیرت بڑی تیزی سے مسرت کے رنگوں میں ڈھلی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ بابا، یہ آپ ہیں.....؟'' اس نے ابھی ابھی ابتہاج کے ساتھ اندر داخل ہوتے بابا جانی کو دیکھا تھا۔ صبح سات بجے کا وقت تھا اور وہ چمپا کے خوشبو اڑاتے پیڑوں کے پاس کرسی رکھے بڑی فراغت کے ساتھ چائے کا مگ لیے بیٹھی تھی۔ آج موسم خاصا خوشگوار تھا اور وہ سائرہ کے ساتھ موسم کی دلفریبی کو محسوس کرنے کے لیے اپنے پسندیدہ گوشے میں بیٹھی تھی اور سدرہ کے دبئی پلٹ کزن سے اس کی اچانک منگنی کا قصہ دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اسے کل سدرہ کے چہرے پر پھیلی خوشی کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔ سائرہ ابھی ابھی کسی کام سے اندر گئی تھی، جب اس نے بابا کو ابتہاج کے ساتھ گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

''بابا، یہ آپ ہی ہیں ناں.....؟'' وریشہ کے چہرے پر بڑی بھرپور قسم کی مسکراہٹ تھی۔

''نہیں بیٹا، ابھی کلوننگ کروا کر آرہا ہوں.....'' بابا کے چہرے پر صدیوں کی تھکن جبکہ لہجہ بشاشت کا بھرپور انداز لیے ہوا تھا۔ وہ بھاگ کر ان کے سینے سے لگی تھی۔

''بابا یہ آپ کو کیا ہوا ہے.....؟'' اس نے غور سے ان کا کمزور جسم اور بڑھی شیو کو دیکھا۔ کپڑے بھی شاید اچھی طرح سے پریس نہیں تھے۔ اس کو شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ جانتی تھی کہ بابا کتنے ویل ڈریس اور نفیس انسان تھے۔ ایسا حلیہ تو ان کا ماما کے انتقال کے روز بھی نہیں تھا۔

''بابا آپ کو انڈیا والوں نے کہیں قید میں تو نہیں رکھا ہوا تھا، یہ کیسا حلیہ بنایا ہوا ہے آپ نے.....؟'' اس کی خوشی پریشانی میں ڈھل چکی تھی۔ وہ اب غور سے بابا کے سرخ وسفید چہرے میں جھلکتی زردی، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے اور جھریوں کو دیکھ رہی تھی۔ بائیس دن سے وہ یہاں تھی اس سے پہلے پندرہ دن سے وہ راول پنڈی میں تھی۔ اس نے تقریباً ان کو ڈیڑھ ماہ بعد دیکھا تھا۔ ڈیڑھ ماہ پہلے وہ بالکل فریش ان کو چھوڑ کر آئی تھی۔ بابا اپنے ازلی پُروقار انداز سے مسکرا رہے تھے۔ اسی وقت سائرہ ایک اور چائے کا مگ لیے اندر سے نمودار ہوئی تھی۔

''یار کیا ہے تم لوگوں کو صبح شام بس ایک ہی کام ہے، جب دیکھو اتنی گرمی میں یہ بڑے بڑے مگ منہ سے لگا رکھے ہوتے ہیں۔'' ابتہاج نے بہت سرعت سے بات تبدیل کی تھی۔ سائرہ سے ملنے کے بعد وہ اب بابا کا ہاتھ پکڑ کر مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا۔

''یہ ابتہاج کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا، مجھے ڈھنگ سے پروفیسر صاحب کا حال احوال بھی پوچھنے نہیں دیا۔'' سائرہ جھنجلاہٹ سے کہتے ہوئے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ ''ہمیں چائے پینے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ بخشے اماں کہا کرتی تھیں کہ ابتہاج کے جسم میں خون کم اور چائے زیادہ ہوگی۔''

''بابا پتا نہیں کیوں اتنے کمزور لگ رہے ہیں.....'' وہ حد درجہ پریشان اور بے چین ہوگئی تھی۔ سائرہ نے غور سے اس کا الجھا ہوا چہرہ دیکھا۔

''ہاں، مجھے کافی ویک لگ رہے تھے کہیں بیمار تو نہیں رہے.....'' سائرہ کی بات نے اس کی بے چینی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں مہمان خانے میں بابا کے پاس جا رہی ہوں.....'' اس نے چائے کا مگ ویسے ہی چھوڑ دیا تھا، اس سے پہلے کہ سائرہ کچھ کہتی وہ فوراً چل پڑی۔ راستے میں ہی اس کا ابتہاج سے ٹکراؤ ہوگیا۔ وہ ٹھٹک گیا۔

''آپ کہیں پروفیسر صاحب کے پاس تو نہیں جا رہیں.....؟'' اس کی قدرے سنجیدہ آواز وریشہ کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وریشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کوئی ضرورت نہیں، وہ ابھی بہت تھکے ہوئے ہیں۔ ان کو شاور لے کر آرام کرنے دیں۔ جب وہ اٹھ جائیں تب مل لیجیے گا.....'' ابتہاج کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔

''لیکن کیوں.....؟ مجھے ان سے ابھی ملنا ہے، وہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے.....'' اس کا انداز بھی دو ٹوک تھا۔ ابتہاج نے اس کا سرد لہجہ اور ضدی انداز غور سے دیکھا، وہ ہلکا سا جھنجلایا تھا۔

''یہ کیا بچگانہ پن ہے وریشہ، جب میں کہہ رہا ہوں کہ وہ خاصے تھکے ہوئے ہیں اور زیادہ سوال جواب کی پوزیشن میں نہیں، تو آپ میری بات کیوں نہیں سن رہیں.....''

''میرا تعلق کون سا خفیہ ایجنسیوں سے ہے جو میں ان سے سوال جواب کروں گی، اب کیا میں اپنے باپ سے بھی نہیں مل سکتی۔'' اس کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی، اس نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔ ابتہاج کو وہ کچھ خفا خفا سی لگی تھی لیکن وہ اس کی ناراضی کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

''میں کون سا ان کا یا آپ کا دشمن ہوں۔ ان کے فائدے کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔ وہ کئی راتوں کے جاگے ہوئے ہیں۔'' وہ بھی لاتعلقی کا انداز لیے غصے میں بولا۔

''وہ کئی راتوں سے کیوں نہیں سو سکے..... یہی بات تو میں پوچھنا چاہ رہی ہوں.....'' وہ یک دم ہی پریشان ہوگئی تھی لیکن اس کی نگاہوں میں موجود ناراضی اور خفگی کی لہریں اس سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ اس لیے وہ تھوڑا سا نرم ہوئی۔

''ادھر آئیں میں بتاتا ہوں.....'' اس نے لاشعوری طور پر اس کا بازو پکڑا تھا۔ وریشہ کے دل میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی۔ اسے پتا نہیں چلا وہ کب اس کے ساتھ سامنے والے کمرے میں آگئی تھی۔ ابتہاج کو ایک دم ہی خیال آیا تھا اس نے گڑبڑا کر اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ وہ اسے اماں کے کمرے میں لے آیا تھا۔ وہ اب کھڑکیاں کھول کر پردے پیچھے کر رہا تھا۔ وریشہ سامنے پڑی کرسی پر بڑے محتاط انداز میں بیٹھ گئی تھی جبکہ وہ دروازے میں کھڑا ہو کر کسی ملازمہ کو کھانا مہمان خانے میں بھیجنے کی ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے سیل فون پر منشی صاحب کو کچھ فائلیں لانے کو کہا تھا..... وریشہ حد درجہ بے چین تھی۔ اس کا دل عجیب ہی قسم کے سگنلز دے رہا تھا۔

''آپ بتا کیوں نہیں دیتے، یہ سب کام بعد میں کر لیجیے گا.....'' وہ اسے ایک اور نمبر ملاتے دیکھ کر جھنجلائی تھی۔

''محترمہ میں پچھلے پندرہ دن سے چھٹی پر ہوں، میری ایک ننھی سی جان پر ڈھیروں ذمے داریوں کا بوجھ ہے، اتنے بڑے شہر کی انتظامی

مصروفیات کم نہیں ہوتیں......'' وہ پُرسکون انداز میں اسے کہہ کر ایک دفعہ پھر اپنے سیل فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دوسری طرف شاید آواز نہیں جارہی تھی اس لیے اس نے ہیلو ہیلو کی گردان ختم کر کے فون ہی بند کردیا۔ وریشہ کو پہلی دفعہ خراب نیٹ ورک اتنا برا نہیں لگا تھا۔ اس نے سکون کی سانس لی کیونکہ وہ اب سامنے والی کرسی سنبھال چکا تھا۔

''مجھ سے کیوں ناراض ہیں آپ......؟'' وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، مجھے صرف بابا کی ٹینشن ہے......'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

''اتنے دن سے بابا یاد نہیں تھے، آج دیکھتے ہی ساری پریشانی اُمڈ آئی ہے......'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کو زیادہ پتا ہے ناں......'' اس کو ایک دم غصہ آیا۔

''مجھ سے زیادہ کسی کو پتا بھی نہیں ہوسکتا......'' اس کا معنی خیز انداز وریشہ کو اس وقت کوفت میں مبتلا کررہا تھا۔

''آپ بتائیں گے یا میں بابا کے پاس جاؤں......'' اس نے دھمکی دی۔

''زیادہ دھمکیاں نہ دیں، ان سے بات اگلوانا بھی اتنا آسان نہیں......'' اس نے صاف چڑایا تھا۔ وریشہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ وہ اس کی نم آنکھیں دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''اٹس او کے، میں بتاتا ہوں آپ آنکھیں صاف کریں فوراً......'' اس کے تحکم بھرے انداز پر وریشہ نے سر جھکا کر بازو کی پشت سے آنکھوں کو باقاعدہ رگڑا تھا۔

''اصل میں آپ کے بابا انڈیا نہیں گئے تھے......وہ یہیں تھے اور مختلف انکوائریاں بھگت رہے تھے۔ اصل میں جب ان کو اپنی فیکلٹی کا ڈین بنایا گیا تھا تو یہ بات یونیورسٹی کی کچھ گندی مچھلیوں کو پسند نہیں آئی اور ان کے خلاف باقاعدہ ایک منظم انداز سے مہم کا آغاز کردیا گیا......'' وہ بہت اطمینان سے بتا رہا تھا۔ وریشہ نے حواس باختہ انداز میں اسے دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

''آپ کو علم ہوگا کہ آپ کے بابا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو اسٹوڈنٹس اپنا آئیڈیل مانتے ہیں۔ ایک دنیا ان سے متاثر ہے اور جس شخص کو اتنا زیادہ سراہا جاتا ہو، وہاں کچھ پروفیشنل جیلسی رکھنے والے لوگ حسد کی آگ میں جلتے ہوئے بہت گھٹیا قسم کے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کو پہلے دھمکایا گیا کہ وہ ڈین بننے سے خود ہی انکار کردیں جب وہ نہیں مانے تو اس گروپ نے ایک اور وار کیا۔'' وریشہ کا دل کچھ اور بے چین ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''انہوں نے ایک اسٹوڈنٹ کو مختلف قسم کی ترغیبات دے کر آمادہ کیا اور اسے اپنا مہرہ بنا کر استعمال کیا، اس نے پروفیسر صاحب پر ریپ کا الزام لگا کر میڈیا والوں کو بلالیا۔''

''کیا......؟'' وریشہ کے سر پر آسمان ہی تو گرا تھا۔ وہ کچھ ساعتوں کے لیے بالکل سن سی ہوگئی۔

''ایک دفعہ تو یہ خبر الیکٹرانک میڈیا پر آگئی تھی......'' ابتہاج کی بات پر اس کا دل بھی دھڑکنا بھول گیا تھا......''اس کے بعد میں نے ارسلہ نے اور کچھ اور لوگوں نے اس خبر کو چلنے سے رکوایا، آپ کے بابا کو آپ کی ٹینشن تھی کہ آپ کالج میں اپنے ساتھیوں کو کیسے فیس کریں گی اس کا حل ہمیں یہی نظر آیا کہ آپ کو وہاں سے نکالا جائے۔ پروفیسر صاحب کو میں نے اپنے گھر کی آفر کی، انہوں نے فوراً

رضامندی ظاہر کی۔ جس کے نتیجے میں آپ یہاں آگئیں، یہاں نہ تو کیبل تھی نہ کوئی اور ذریعہ......اس وجہ سے آپ کا رابطہ باقی دنیا سے کٹ گیا۔ پروفیسر صاحب نے ارسلہ کو بھی نہیں بتایا تھا کہ آپ یہاں ہیں، ان کو ڈر تھا کہ وہ کہیں جذباتی ہوکر آپ کو کچھ بتا ہی نہ دے۔ اتفاق سے اس پریشانی میں ارسلہ نے بھی آپ سے رابطہ نہیں کیا۔ اس کا مجھ سے مسلسل رابطہ تھا لیکن آپ کی یہاں آمد کا اسے پروفیسر صاحب نے ہی بتایا تھا......''

''بابا کے معاملے کیا بنا......؟'' وریشہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی، اس کا لہجہ پریشانی کا غماز تھا۔ بابا کی ذہنی تکلیف کا سوچ کر ہی اس کا حساس دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''جس طرح جھوٹ کے کوئی پاؤں نہیں ہوتے اور اسے اپنے ٹھکانے سے بہت محبت ہوتی ہے اسی طرح دھوکا فریب بھی ساری دنیا میں گھوم پھر کر اپنے ٹھکانے پر واپس آہی جاتا ہے۔ اس کے مالکوں کے حصے میں پھر رسوائی اور ندامت ہی آتی ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی، ہم نے اس لڑکی کو ہی ٹریپ کیا، اس کے ضمیر کو جھنجوڑا، اس نے سارا بھانڈا کھول دیا۔ ساری گرہیں کھل گئیں۔ پروفیسر صاحب کی بے گناہی ثابت ہوئی۔ ان کے مخالفین اب جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں......'' وہ سارے واقعے کی سنگینی کو حد درجہ کم کر کے مختصراً بتا رہا تھا۔

''تو جب ساری دنیا کو پتا تھا تو مجھ سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی، بابا نے اتنے تکلیف دہ دن پتا نہیں کیسے گزارے ہوں گے......'' اس کے آنسو پھسل کر گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''آپ نے ان تکلیف دہ دنوں میں یہی کچھ کرنا تھا جو آپ اب کر رہی ہیں......'' وہ ٹشو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا تھا۔ ''اصل میں

محبت مستقل غم ہے

محبت درد کا صحرا محبت مستقل غم ہے
محبت ایک پچھتاوا محبت مستقل غم ہے

وہی درد آشنا آنکھیں وہی بے تاب سے آنسو
وہی اِک ہجر کا دریا محبت مستقل غم ہے

وہی ہے آبلا دل کا وہی پاؤں کے چھالے ہیں
وہی کانٹوں بھرا رستہ محبت مستقل غم ہے

وہی سرگوشیاں غم کی وہی رُت رت جگوں والی
ابھی تک کچھ نہیں بدلا محبت مستقل غم ہے

وہی ہم لوگ دیوانے وہی ہے درد کا رستہ
محبت کا وہی سودا محبت مستقل غم ہے

محبت درد ہے اور جب درد دل میں آن بستا ہے
تو پھر دل سے نہیں جاتا محبت مستقل غم ہے

وہی دل درد کا ٹکڑا وہی شام جدائی ہے
کہیں بھی کچھ نہیں بدلا محبت مستقل غم ہے

مرسلہ: صبا نور، لیہ

کیسے کیسے لوگ

شہر میں آگ لگانے والے
اب تو خود کو بھی بچانے سے گئے
مر نہ جائیں کوئی تدبیر کرو
اب ہمیں دکھ بھی رُلانے سے گئے

شاعرہ: بختاور بلوچ، لوہی بلوچستان

آپ کے بابا کو آپ سے بہت محبت ہے، وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لاڈلی بیٹی اس تکلیف سے گزرے جس سے وہ پورے پچیس دن گزر رہے تھے۔''

''اب کون سا نہیں ہو رہی تکلیف ......'' اس نے ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔ اس کا لہجہ ابھی بھی نمی لیے ہوئے تھا۔

''اب تو تھوڑی دیر کی تکلیف ہے، آپ نے تو پچھلے پچیس دنوں میں ٹینشن سے فوت ہی ہو جانا تھا پھر میرا کیا بنتا......؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت جگمگا رہی تھی۔

''پھر آپ کسی اور لڑکی کو ایسے ہی بٹھا کر پٹا رہے ہوتے......'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ ابتہاج کو اس لمحے بے شمار ستارے اس کی آنکھوں میں چمکتے دکھائی دیے تھے۔

''استغفراللہ، میں آپ کو ایسا لگتا ہوں......'' وہ مصنوعی تاسف بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ وہ تعجب سے یوں اس کو دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بڑی غیر معمولی بات سنی ہو۔

''جی ہاں، اس سے بھی زیادہ بڑھ کر لگتے ہیں جتنا آپ سوچ رہے ہیں......'' وہ بھی متبسم انداز میں بولی تھی۔

''اوہ، اس کا مطلب ہے کہ میں بہت خوش قسمت ہوں جو ایک خوب صورت لڑکی کو اتنا ''اچھا'' لگتا ہوں، واہ میرے مولا، جب بھی دیتا ہے چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے......'' اس کے چہرے پر پھیلی حیرانی اور بوکھلاہٹ پر ابتہاج کا انتہائی جاندار اور محظوظ کن قہقہہ گونجا تھا۔

''بہت خوش فہم ہیں آپ......!'' وہ تھوڑا سا سنبھل کر بولی۔

''جناب ''غلط فہمی'' سے تو ''خوش فہمی'' پھر بھی بہتر ہوتی ہے کم از کم بندے کو خوش تو رکھتی ہے۔ ہم تو ویسے بھی عوام کی خدمت کے لیے اپنی زندگی متعین کر چکے ہیں۔ عوام ہمیں پسند کرتی ہے بس اسی خوش فہمی سے زندگی کو جینے کے لیے ایک مضبوط جواز مل جائے گا۔'' وہ دلفریبی سے مسکرایا اور اس کے بالکل قریب کھڑا ہو گیا۔

''یہ ''عوام'' کس کو کہا ہے آپ نے......؟'' وہ تپ کر کھڑی ہوئی۔

''جناب کو......'' اس نے گردن کو خم دے کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ وریشہ تھوڑا سا بلش ہوئی۔

''منہ دھو رکھیں آپ، عوام خاصی عقلمند ہو چکی ہے، ایسی ''سرکار'' کو لفٹ نہیں کرواتی......'' وہ اس کی نگاہوں کی شوخی سے گھبرا کر باہر نکلنے کی نیت سے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

''آپ ٹینشن نہ لیں، میرے ووٹ خاصے پکے ہیں، ارسلہ کو میں نے بتا دیا ہے کہ اب وہ میرے احسان کا بدلہ اتارے، جو میں نے اس کی اور اشعر کی شادی کروا کے کیا تھا، حالانکہ اس کا ذاتی خیال ہے کہ یہ میری خباثت ہے لیکن پہلی دفعہ اسے میری خباثت اتنی پسند آئی ہے کہ وہ جاپان سے اگلے ہفتے پاکستان آ رہی ہے......''

''کیا......؟'' وریشہ کو بہت خوشگوار قسم کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے پر پھیلی مصنوعی قسم کی مسکینیت دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔ موسم ایک دم ہی بدلا تھا۔ سیاہ سرمئی رنگ کے سیاہ بادل بھی شرارت سے مسکرا رہے تھے۔ ہلکی ہلکی سی کن من سے شہتوت کے پتوں کے جھونکوں سے آنے والی موتیے کی دلفریب مہک نے باہر کا موسم تو مہکایا ہی تھا لیکن اس کے دل کے موسم کو بھی خاصا معطر کر دیا تھا۔

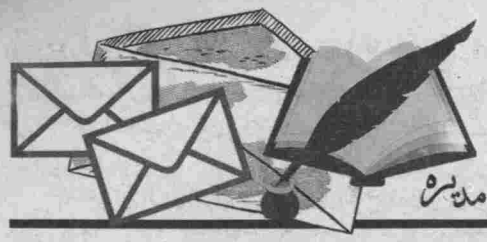

بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

☆ نہ میں بھلکڑ ہوں، اور نہ ہی اپنی چیزوں کو بے احتیاطی سے رکھتی ہوں...... مگر اس کے باوجود مجھے اپنے کپڑے، اپنے پسندیدہ بیگ اور چپلیں وقت پر نہیں ملا کرتی ہیں...... ایمرجنسی میں کہیں جانا ہو تو میں اپنی الماری تلپٹ کر کے رکھ دیتی ہوں۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ میرے پاس یہ چیزیں محدود تعداد میں ہوں...... میری الماری ان چیزوں سے پٹی پڑی ہے...... بیٹی کی شادی پر تو کیا...... اپنے بہن بھائیوں کی شادیوں پر جو کپڑے بنائے تھے...... وہ بھی میری الماری میں موجود ہیں۔ ہر فیشن، ہر ڈیزائن کا کپڑا...... شیموز کی ساڑی سے لے کر جارجٹ اور وولی کی ساڑیاں بھی موجود ہیں۔ ظاہر ہے جب الماری کی استعداد سے زیادہ اس میں چیزیں ٹھونسی جائیں گی تو ضرورت کی چیزیں اس میں سے کیسے مل سکتی ہیں۔ آج میں نے اپنی الماری اس وجہ سے بھی ترتیب دے لی ہے کہ رمضان میں مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو...... تو پھر آپ بھی یہ کام کیوں نہیں کرتیں...... آپ کے پاس بھی تو درجنوں چپلوں کا ڈھیر ہوگا...... پلیز آپ ان کو باہر نکالیے...... اور انہیں ان لوگوں میں تقسیم کیجیے جو اپنے جوتے جڑوا جڑوا کر پہنتے رہتے ہیں کہ دوسرا جوتا خریدنا ان کے بس میں ہی نہیں ہوتا...... آپ اپنی یہ چیزیں اپنے غریب رشتے داروں میں بھی دے سکتی ہیں...... مجھے بھی اپنی چیزیں نکالتے ہوئے واقعی ملال سا ہوا تھا کہ ہم جیسے لوگ ان چیزوں سے محبت کرنے لگتے ہیں...... جو ہمارے کسی کام کی نہیں ہیں...... اگر آپ کی الماری میں آپ کا کوئی جوڑا ہینگر پر دو سال سے جھول رہا ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ آئندہ دو سال بھی مزید جھولے جھولتا رہے گا...... تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم یہ چیزیں ان لوگوں کو دے دیں جنہیں ان کی اشد ضرورت ہے...... اور ہاں...... یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھیے گا اپنی چیزیں اللہ کی راہ میں دینے سے کبھی کوئی کمی نہیں آئے گی...... اللہ آپ کو ان کے بدلے پتا نہیں کتنی اور...... پیاری چیزوں سے مزید نوازے گا...... (انشاءاللہ)

تو آئیں...... آج ہم سب اپنی الماریوں میں صرف وہی چیزیں رکھیں گے جو ہماری روزمرہ کے استعمال کی ہیں۔

تو پھر...... بانٹ رہی ہیں ناں آپ...... اس خوب صورت کباڑ کو...... جو آپ کے کام کا نہیں ہے...... (آج ہی سے)

* * *

☆ آئیں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے قبل درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ (ابھی پڑھ لیں) آیت کریمہ یہ ہے۔

لاالہ الا انت سبحنك انی كنت من الظالمين۝

* * *

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ گزشتہ ہفتے آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی میں انٹرنیشنل یوتھ فورم اور ڈریم وژن فورم کے زیرِ اہتمام معروف